خلفاء امام احمد رضا

رحمہم اللہ تعالیٰ



مُصنّف
بقیۃ السلف شیخ الحدیث علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری

مرتب ○ محمد عبدالستار طاہر مسعودی

مکتبہ شمس و قمر



خلفاء امام احمد رضا
رحمہم اللہ تعالیٰ

مصنف

بقیۃ السلف شیخ الحدیث علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری قدس سرہ

مرتب ۔ محمد عبدالستار طاہر مسعودی

مکتبہ شمس و قمر
جامعہ صفیہ غوثیہ ۔ بھائی چوک لاہور
0345-4666768,0322-4973954

نام کتاب ...... خلفائے امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ
مصنف ...... شرف ملت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ
مرتب ...... صوفی محمد عبدالستار طاہر مسعودی
کمپوزنگ ...... ورڈز میکر
ناشر ...... مکتبہ شمس وقمر، جامعہ حنفیہ غوثیہ بھائی چوک لاہور
صفحات ۱۴۴
سن اشاعت ...... رمضان المبارک ۱۴۳۲ھ/اگست ۲۰۱۱ء
قیمت ...... روپے

ملنے کے پتے:

- مکتبہ شمس وقمر، جامعہ حنفیہ غوثیہ بھائی چوک لاہور
  0322-4973954 0345-466676
- مکتبہ قادریہ، دربار مارکیٹ، لاہور
- مکتبہ اہلسنت، جامعہ نظامیہ رضویہ لوہاری دروازہ لاہور
- ضیاء القرآن پبلی کیشنز، دربار مارکیٹ لاہور
- شبیر برادرز، اردو بازار، لاہور
- نظامیہ کتاب گھر، زبیدہ سنٹر اردو بازار لاہور
- مکتبہ جمال کرم، دربار مارکیٹ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترتیب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقدیم

از: ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی الازہری

حضرت شرف ملت رحمہ اللہ کو امامِ اہل سنت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمہ اللہ کے ساتھ والہانہ محبت تھی۔ میرا اندازہ ہے کہ اس محبت نے حضرت شرف ملت کے دل میں اس وقت سے ہی گھر کر لیا تھا جب وہ پرائمری کے مرحلے تک تعلیم مکمل کرنے کے بعد محدث اعظم پاکستان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے ۱۹۵۵ء میں جامعہ رضویہ، فیصل آباد میں دینی تعلیم حاصل کرنے کے لئے داخلہ لیا۔ تب ان کی عمر تقریباً گیارہ سال رہی ہوگی کیونکہ حضرت محدث اعظم پاکستان کے انگ انگ میں سیدی اعلیٰ حضرت کی محبت سمائی ہوئی تھی، انہوں نے اپنے شاگردوں کو بھی اسی رضوی رنگ میں رنگ دیا اور یہ رضوی رنگ اس وقت اور گہرا ہو گیا جب تقریباً پندرہ سال بعد ۱۹۷۰ء میں شرف ملت نے بارگاہ رضویت سے براہ راست اجازت وخلافت کی صورت میں فیضان پانے والے سراج الاتقیاء مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد قادری رضوی اشرفی کے دست مبارک میں اپنا ہاتھ دیا اور اپنا سب کچھ سیدیِ اعلیٰ حضرت پر نثار کر دیا۔ اسی للہ فی اللہ محبت نے ان سے رضویات میں بہت سا کام لے لیا۔ پیش نظر کتاب ''خلفاء امام احمد رضا'' بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

یہ کتاب حضرت شرف ملت کے مختلف مقالات اور مقدمات کا مجموعہ ہے جنہیں ہمارے فاضل دوست محترم جناب محمد عبدالستار طاہر مسعودی صاحب نے ایک گلدستے کی صورت میں سجا دیا ہے۔ اس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۹۹ء میں رضا اکیڈمی لاہور کی طرف سے شائع ہو چکا ہے اور پچھلے دنوں جناب محمد عبدالستار طاہر مسعودی صاحب نے اس کتاب کے مطبوعہ نسخے کی تصحیح کر کے مجھے بھجوائی اور انہوں نے اس کتاب کو دوبارہ طبع کروانے کا مشورہ بھی دیا۔ لیکن بدقسمتی سے یہ کتاب مجھ تک نہ پہنچ سکی۔ تب انہوں نے اس کا ایک

اور نسخہ تلاش کر کے دوبارہ کتاب کی تصحیح کی، کمپوزنگ کروا کے دو پروف خود پڑھے اور پھر دوسرا مجھے بھجوا دیا۔ ان کی یہ للہ فی اللہ محبت حضرت مسعود ملت رحمہ اللہ کے درمیان ایمانی محبت کا تسلسل ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ برادرم محترم جناب محمد عبدالستار طاہر مسعودی صاحب کو ان کی اس بے لوث محبت پر ڈھیروں اجر اور جزائے خیر عطا فرمائے۔

جناب محمد عبدالستار طاہر مسعودی صاحب نے کتاب کے دوسرے ایڈیشن کے لئے کتاب کی ترتیب بھی بدل دی اور اب ان حضرات کے تذکرے ابجدی ترتیب سے لے کر دیئے ہیں، نیز حوالہ جات فٹ نوٹ کی صورت میں دینے کی بجائے ہر مضمون کے آخر میں دیئے گئے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ان کے علم و عمل اور ان کے گھرانے میں برکتیں عطا فرمائے۔

حضرت شرف ملت نے علمائے اہل سنت پر بہت لکھا اور جس شخصیت پر انہیں مواد دستیاب نہ ہوتا اس کے حوالے سے براہ راست وہ کسی متعلقہ شخصیت سے معلومات حاصل کرتے اور جہاں کہیں یہ معلومات تحریر کی ہیں، وہیں معلومات مہیا کرنے والی شخصیت کا تذکرہ بھی کر دیتے۔ حضرت مولانا امام الدین قادری کے تذکرے میں لکھتے ہیں:

> ''آپ کے پوتے جناب رضاء المصطفیٰ چشتی معروف صاحب قلم ہیں لیکن افسوس کہ کوشش بسیار کے باوجود راقم الحروف ان سے حضرت کے تفصیلی حالات حاصل نہ کر سکا''۔

یہاں قابل ذکر بات یہ ہے کہ حضرت شرف ملت نے یہ نہیں فرمایا کہ فلاں صاحب نے اپنے دادا کے مزید حالات مہیا نہیں کئے بلکہ بہت خوبصورتی سے تقصیر کو اپنی طرف منسوب فرمایا۔ آج ہمیں یہ حسن ادب سیکھنے اور اپنانے کی اشد ضرورت ہے۔

پیش نظر کتاب ''خلفاء امام احمد رضا'' کی پروف ریڈنگ کرتے ہوئے مولانا محمد ظفر الدین بہاری رحمہ الباری کے حالات میں آپ کی بعض تقاریر کی اشاعت کے ضمن میں شرف ملت نے اپنے ایک شاگرد کا تذکرہ فرمایا جسے پڑھ کر میری طرح قارئین کرام بھی محظوظ ہوں گے۔ وہ لکھتے ہیں:

''ہمارے عزیز دوست مولانا حافظ محمد شاہد اقبال نے انجمن نوجوانان اہل سنت، بھاٹی گیٹ کی طرف سے انہی تقاریر پر مشتمل دو تین رسائل شائع کر دیئے ہیں''۔

ان کے تلامذہ ان کے سامنے آنے اور بات کرنے سے گھبراتے تھے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ہر وقت ڈانٹ ڈپٹ سے کام لیتے تھے بلکہ وہ اپنے شاگردوں کو اپنی اولاد سمجھتے تھے اور اپنے باصلاحیت شاگردوں کی حوصلہ افزائی میں بخل سے کام نہیں لیتے تھے۔ پیش نظر اقتباس اس حوصلہ افزائی کی ایک روشن مثال ہے۔

وہ تذکرہ نویسی میں حوالہ جات کا بہت اہتمام فرماتے تھے بلکہ بعض اوقات بہت نادر مصادر کا استعمال فرماتے۔ پیش نظر کتاب میں حضرت مولانا سید سلیمان اشرف بہاری کے تذکرہ میں پروفیسر رشید احمد صدیقی کی تصنیف ''گنج ہائے گراں مایہ'' سے اقتباسات نے بہت لطف دیا۔ ایک مرتبہ انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی کے ایک پروفیسر صاحب نے مجھ سے تعجب کا اظہار کیا کہ ایک شخص نے منہج البحث (Research Methadology) نامی مضمون نہیں پڑھا اور کسی یونیورسٹی میں تھیسز (Thesis) نہیں لکھا مگر وہ تحقیق کے اسلوب اور تقاضوں سے آگاہ ہے۔ میں نے انہیں جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ بوریہ نشینوں کو جو چاہتا ہے عطا فرما دیتا ہے۔ یہ حضرات ڈگریز (Degries) کے محتاج نہیں ہوتے۔

حضرت شرف ملت نے شہید جہاد آزادی علامہ فضل حق خیرآبادی اور امامِ اہل سنت امام احمد رضا خاں بریلوی رحمہ اللہ کے حالات اور علمی کارناموں کے بارے میں بہت کچھ لکھا۔ راقم نے رضویات کے حوالے سے شرف ملت کی خدمات کا ایک مضمون کی صورت میں احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ مضمون اگرچہ ماہنامہ ''رموز'' جنوری، فروری ۲۰۱۰ء کے شمارے میں ''رضویات اور شرف ملت'' کے عنوان سے شائع ہو چکا ہے مگر اسے مزید اضافوں کے ساتھ کتابچے کی صورت میں شائع کرنے کا پروگرام ہے۔ اللہ رب العزت حضرت شرف ملت کو ان تمام علماء و مشائخ اہل سنت کی طرف سے

جزائے خیر عطا فرمائے جن کے حالات حضرت شرف ملت کے قلم سے سینۂ قرطاس پر محفوظ ہو گئے۔ وہ لوگوں کو جن کے بزرگوں میں کوئی علمی و روحانی شخصیت گزری ہو۔ شیخ سعدی رحمہ اللہ کا درج ذیل شعر سنایا کرتے تھے:

نام نیک رفتگاں ضائع مکن
تا کہ ماند نام نیکت برقرار

خلفائے اعلیٰ حضرت کے پیش نظر تذکرہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ایک مرد قلندر نے عہد زوال میں اصلاح امت کے لئے جہاں لٹریچر تیار کیا وہیں افراد بھی تیار کیے۔ اگرچہ پیش نظر کتاب میں تمام خلفاء کا تذکرہ نہیں ہے مگر جن حضرات کے تذکرے موجود ہیں ان کی خدمات کا جائزہ لینے پر اندازہ ہوتا ہے کہ امام اہل سنت نے کیسے کیسے نابغہ روزگار افراد تیار کیے اور ان حضرات نے تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات کے دور میں اپنے عظیم رہنما امام احمد رضا کے قدم بقدم بے خوف و خطر امت کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیا، جبکہ قائداعظم محمد علی جناح اور شاعر اسلام علامہ محمد اقبال، گاندھی کی آندھی میں گاندھی کے ہمنوا علماء اور عوام کو بصد افسوس دم بخود دیکھ رہے تھے۔ ان حالات میں کلمۂ حق بلند کرنے پر انگریز کے ایجنٹ ہونے کا الزام تو لگا مگر طوفان تھم جانے کے بعد امام احمد رضا، ان کے خلفاء اور ہم خیال علماء کا اجلا دامن اور شفاف کردار اپنی تمام تر پاکیزگی کے ساتھ سامنے آیا جبکہ الزام لگانے والوں کے احباب نے ہی تین سو روپے ماہانہ ملنے کی نشاندہی کی اور اس راز سے بھی پردہ ہٹایا کہ تحریک ریشمی رومال کا راز کس نے فاش کیا تھا۔

اللہ رب العزت نے حضرت شرف ملت کے لئے علماء و مشائخ کے حالات اور علمی کارنامے محفوظ کرنے پر آخرت میں تو نہ جانے کیا کیا اجر عطا فرمانا ہے۔ دنیا میں اس کریم مالک نے ہمارے دوست جناب محمد عبدالستار طاہر مسعودی کو یہ توفیق بخشی کہ انہوں نے اپنے مرشد گرامی مسعود ملت حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد رحمہ اللہ کے حکم پر حضرت شرف ملت کی زندگی میں ہی ''محسن اہلسنت'' کے نام سے ایک طویل سوانح

لکھی اور حضرت شرف ملت پر لکھے گئے مقالات کو تذکار شرف کی صورت میں مرتب کیا۔ شرف ملت کے دیگر کئی آثار علمیہ کو مرتب کیا اور کئی زیر ترتیب ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ یہ دنیا میں حضرت شرف ملت کی نیک نامی باقی رہنے کی ایک صورت تھی اور دوسری صورت ماہنامہ ''الشرف'' کے نام سے ایک مجلّے کا ڈیکلریشن تھی جسے حضرت شرف ملت کی زندگی میں ہی ہمارے محبت کرنے والے فاضل دوست علامہ محمد اسلم شہزاد صاحب نے حاصل کی۔

اور حضرت شرف ملت کے وصال پر بڑی دوڑ دھوپ اور کوشش کے ساتھ آپ کے چہلم سے پہلے ایک بہت معیاری نمبر شائع کیا جسے مختلف شخصیات پر شائع کیے گئے نمبرز میں امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ اس میں پاکستان، ہندوستان، مصر اور انگلینڈ کے اہل قلم کے قیمتی مقالات شائع ہوئے۔ اللہ رب العزت حضرت علامہ اسلم شہزاد صاحب کو حضرت شرف ملت سے اس محبت پر جزائے خیر عطا فرمائے۔ حضرت شرف ملت اور دین کی خدمت میں عمریں بسر کرنے والے حضرات تحدیث نعمت کے طور پر کہہ سکتے ہیں:

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است برجریدۂ عالم دوام ما

نیز خدمت دین کے حوالے سے زندگیاں وقف کرنے والوں کے کارنامے ان کے لئے صدقہ جاریہ ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کے بھروسے پر یہ بھی کہہ سکتے ہیں:

طمع فاتحہ از خلق نداریم نیاز
عشقِ من از پسِ من فاتحہ جوانم باقیب

ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی الازہری
۱۹- چمن زار سٹریٹ، لالہ زار کالونی
ٹھوکر نیاز بیگ، لاہور

۲۱ ربیع الثانی، ۱۴۳۱ھ
۷ مارچ ۲۰۱۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائیہ

علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری مدظلہ العالی ایک کہنہ مشق قلمکار ہیں۔ ترجمہ اور تذکرہ اُن کا خاص میدان ہے، تذکرہ میں انہوں نے ''یادِ اعلیٰ حضرت'' اور ''سوانح سراج الفقہاء'' کے سوا کسی شخصیت پر کوئی مستقل کتاب نہیں لکھی۔ یہ دونوں بھی مفصل نہیں بلکہ مجمل تذکرے ہیں ــــ البتہ علامہ صاحب نے بہت سی شخصیات پر مختلف مقالات و مضامین ضرور رقم فرمائے ہیں۔[1]

اِن مقالات و مضامین پر مشتمل درج ذیل مجموعے تشکیل پا چکے ہیں:

☆ تذکرہ اکابر اہلسنّت، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء

☆ نور نور چہرے، مطبوعہ لاہور، ۱۹۹۴ء

☆ عظمتوں کے پاسبان، زیرِ طبع

علامہ شرف قادری صاحب نے امام احمد رضا خاں محدّث بریلوی قدس سرہٗ العزیز کے خلفاء کے بارے میں مستقل طور پر نہیں لکھا، بلکہ عمومی طور پر مقالات و مقدمات رقم فرمائے۔ انہی مقالات کو مجموعی شکل میں پیش کیا جارہا ہے۔

قبل ازیں احقر نے حضرت مسعودِ ملّت قبلہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد دامت برکاتہم العالیہ کے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں محدّث بریلوی قدس سرہٗ العزیز کے خلفاء کے بارے میں مقالات و مقدمات کو ''خلفائے محدّث بریلوی'' کے زیرِ عنوان جون ۱۹۹۶ء میں مرتّب کیا تھا۔ جسے حال ہی (اکتوبر ۱۹۹۸ء) میں رضا اکیڈمی، لاہور نے شائع کر دیا ہے ــــ اِس کی اشاعت پر احقر کو خیال آیا کہ علامہ شرف قادری

[1] تفصیلات کے لئے رجوع فرمائیں۔ ''محسنِ اہلِ سنّت'' باب نمبر ۴ ''آثارِ علمیہ'' مصنفہ: محمد عبدالستار طاہر (راقم السطور)

مناظرِ اسلام

حضرت مولانا امام الدین قادری رضوی قدس سرہٗ
(کوٹلی لوہاراں، ضلع سیالکوٹ)

ناصرِ سُنّت، ماحی بدعت حضرت مولانا ابو الیاس امام الدین قادری رضوی ابن حضرت مولانا عبد الرحمٰن قدس سرہما کوٹلی لوہاراں، ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔

اجازت و بیعت و خلافت

جلیل القدر اساتذہ سے علوم دینیہ کی تحصیل کے بعد اعلیٰ حضرت امامِ اہلسنّت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ کے دستِ مبارک پر بیعت ہوئے اور سلسلہ عالیہ قادریہ میں خلافت و اجازت سے مشرف ہوئے، لطف کی بات یہ ہے کہ آپ کے دونوں بڑے بھائی مولانا علامہ ابو عبد القادر محمد عبد اللہ کوٹلوی اور فقیہ اعظم مولانا محمد شریف کوٹلوی قدس سرہما بھی اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے خلیفۂ مجاز تھے[1] حضرت مولانا امام الدین قدس سرہٗ کی مہر اس طرح تھی:

دین کی خدمت

آپ نے تمام عمر فرقِ باطلہ کے خلاف تقریری و تحریری طور پر جہاد کیا، آپ پنجابی کے بہترین شاعر تھے، علمی مسائل، آیاتِ قرآنیہ، احادیث مبارکہ اور عبارات فقیہہ بڑی عمدگی سے نظم کے قالب میں ڈھال دیتے تھے۔

تصنیف و تالیف

آپ نے تصانیف جلیلہ کا ذخیرہ یادگار چھوڑا، لیکن آپ کے اعزہ و اقرباء نے اِس کی حفاظت و اشاعت کی طرف توجہ نہیں دی۔

چند تصانیف کے نام یہ ہیں:

۱۔ نصرۃ الحق المعروف بہ تیغ نعمانیہ برگردن وہابیہ (ردِ وہابیہ)

تقلید، علم غیب، حیلۂ اسقاط، کفنی لکھنا اور احتیاط الظہر وغیرہ مسائل پر سیر حاصل بحث، پنجابی اشعار میں صفحات ۸۲، مطبوعہ مفید عام پریس سیالکوٹ، سنِ تالیف ۱۳۲۸ھ)

۲۔ احتیاط الظہر (اِس میں یہ ثابت کیا کی نصاریٰ کہ حکومت میں احتیاط الظہر پڑھنی چاہیے، مخالفین کے اعتراضات کے مُسکت جوابات، صفحات ۴۷ مطبوعہ سٹیم پریس امرتسر — اِس کے آخر میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ کی سندِ خلافت واجازت بھی درج ہے۔

۳۔ ہدایۃ الشیعہ (اردو) دو حصے

۴۔ الذکر المحمود فی بیان المولد المسعود (مطبوعہ، کل صفحات ۴۸، نظم پنجابی)

نعت پاک کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

سب تھیں نبی محمد نوں ربّ ، دِتا شان اُچیرا
علم غیب سکھلایا اُس نوں دور کیتا سب ہنیرا
نام محمد دا ربّ ، اپنے ناں دے نال رکھایا
نزد اللہ دے اُستھیں وَدھ کے ہور پسند نہ آیا
کراں پسند جو نبیاں وچوں دساں غیب اُستائیں
وچہ کلام اللہ دے دیکھو کہیا ہے ربّ سائیں
اُس تھیں خاص نتیجہ ظاہر عقلاں والے جانن
غیبی علم نبی نوں ہیسی ہر دم شکر کماون [ع]

سانحۂ ارتحال:

۱۹ ربیع الاوّل ۲۰ اگست (۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء) کو حضرت مولانا ابوالیاس امام الدین

قدس سرہٗ العزیز کا وصال ہوا۔

آپ کے پوتے جناب رضاء المصطفیٰ چشتی معروف صاحبِ قلم ہیں، لیکن افسوس کہ کوشش بسیار کے باوجود راقم الحروف اُن سے حضرت کے تفصیلی حالات حاصل نہ کر سکا، لہٰذا انہی معلومات کو پیش کرنے پر اکتفاء کیا گیا ہے۔ آخر میں وہ سند اجازت پیش کی جا رہی ہے جو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ نے مولانا امام الدین کو عطا فرمائی تھی۔ یہ سند رسالہ ''احتیاط الظہر'' میں چھپ چکی ہے۔ اِسی مطبوعہ سند کا عکس ہدیہ قارئین ہے۔

حوالہ جات

۱ ـــــ ماہنامہ الرضاء بریلی، شمارہ ۴،۵، ماہ ربیع الآخر جمادی الاوّل ۱۳۳۸ھ

۲ ـــــ امام الدین، مولانا: نصرۃ الحق، ص ۲

فقیر العصر، پیکر تقدّس

حضرت مولانا تقدس علی خاں رحمہ اللہ تعالیٰ

(شیخ الجامعہ راشدیہ، پیر جو گوٹھ، سندھ)

حضرت اُستاذ العلماء، فقیہہ عصر، یادگار امام احمد رضا بریلوی، مولانا تقدس علی خاں قدس سرہٗ العزیز علم، عمر، فضل و شرف اور دینی خدمات کی بناء پر صف اوّل کے علماء میں سے تھے۔ اعلیٰ حضرت احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کے چچازاد بھائی مولانا سردار ولی خاں نوری (متوفی ۶/ صفر ۱۸/ فروری، ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء) کے صاجزادے، حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں رحمہ اللہ تعالیٰ کے شاگرد اور داماد، دارالعلوم منظر اسلام، بریلی شریف کے سابق مہتمم جامعہ راشدیہ پیر جو گوٹھ، سندھ کے شیخ الجامعہ، پیر صاحب پاگارہ اور سینکڑوں علماء کے استاد تھے۔

حضرت صاحب تبحر عالم دین، مخدوم اہلسنّت اور حضور سیّد دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت سے سرشار تھے، آخر عمر میں شوگر کا عارضہ ہو گیا تھا، فرمایا کرتے تھے:

"مدینہ منورہ جا کر خوب میٹھی چیزیں اور حلوہ وغیرہ کھاتا ہوں اور اس سے کچھ نقصان نہیں ہوتا۔"

کوئی تکلیف ہوتی تو فرماتے:

"آب زمزم مل جائے تو مجھے افاقہ ہو جائے گا۔"

حافظہ اِس غضب کا تھا کہ راقم، پہلی مرتبہ ملا، تعارف ہوا، پھر تقریباً ایک سال بعد ملاقات ہوئی فوراً پہچان لیا۔

باوجودیکہ بیوی، بچے، بھائی اور والد صاحب سب وصال فرما گئے اور آپ تن تنہا رہ گئے تھے، لیکن ہر وقت ہشاش بشاش رہتے، بلکہ اُن کی خدمت میں حاضر ہونے والا

بھی غم و آلام کو بھول کر دل شاد اور خوش وقت ہو جاتا تھا، چہرے پر وہ ملاحت اور دل کشی کہ صرف بچوں کے چہرے پر ہی دیکھی جا سکتی، بلند ہمت اتنے کہ طویل طویل سفر تن تنہا بغیر کسی پریشانی کے کرتے اور فرمایا کرتے تھے: ''میرے ساتھ سفر میں فرشتے چلا کرتے ہیں۔'' وہ جہاں بیٹھتے محفل جم جاتی اور وہ جانِ محفل ہوتے تھے۔

اعلیٰ حضرت، امامِ اہلسنّت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ سے محبت و عقیدت کا عالم دیدنی تھا، وہ اُن کی عظمت اور تبحر اور حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور اتباع کے چشم دید گواہ تھے۔

راولپنڈی میں ایک ملاقات کے موقع پر فرمایا:

''ہمارا خیال تھا کہ ''الحجۃ المؤتمنہ'' اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کی آخری تصنیف ہے، لیکن ردّ مرزائیت میں آپ کا رسالہ ''الجراز الدیانی'' دیکھنے سے اندازہ ہوا کہ وہ آخری رسالہ ہے، لیکن افسوس کہ میں مدینہ منورہ سے اپنے ساتھ لا نہیں سکا۔''

پھر بریلی شریف تشریف لے گئے اور واپسی پر وہ رسالہ راقم کو دے گئے اور فرمایا: ''صرف یہ رسالہ حاصل کرنے کے لئے مجھے پیلی بھیت جانا پڑا تھا۔'' ایسے عظیم انسان اور سراپا شفقت و محبت پھر کہاں ملیں گے[۱] والسلام[۲]

۱۱ ربیع الاوّل ۱۴۰۹ھ
۲۴ اکتوبر ۱۹۸۸ء

محمد عبد الحکیم شرف قادری

---

[۱] تاریخ انتقال، ۳ رجب، ۲۲ فروری ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء

[۲] یہ تاثر ''پیکر تقدس'' مطبوعہ رضا اکیڈمی، لاہور ۱۹۸۹ء میں شائع ہوا۔

مکتوبِ تعزّیت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت مفتی اعظم پاکستان شیخ الحدیث والتفسیر مولانا مفتی تقدس علی خاں قدس سرہٗ ملّتِ اسلامیہ کے نامور عالم دین، شیخ طریقت، سایۂ رحمت اور سراپا برکت تھے۔ وہ پیکر تقویٰ و تقدس اور سلف صالحین کی زندۂ جاوید یادگار تھے، وہ امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کے خاندان کے یکتائے روزگار فرد اور پاکستان میں اُن کے علمی و روحانی جانشین تھے۔ تحریکِ پاکستان اور اُس کے بعد اُٹھنے والی ہر دینی و اسلامی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا اور آخر عمر تک خدمتِ دینِ متین میں مصروف رہے۔

اللہ تعالیٰ اور اُس کے حبیب اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی محبت اُن کے رگ و پے میں رچی ہوئی تھی۔ یہی ولولہ انہیں ہمیشہ مصروف عمل رکھتا تھا۔ پیرانہ سالی اور علالت ایسے عوارض ان کی راہ میں حائل نہیں ہو سکتے تھے۔ یہی نہیں بلکہ ہمیشہ اپنے متعلقین کو بھی مصروف عمل رکھتے، اور اُن کی حوصلہ افزائی میں کبھی تساہل نہ فرماتے۔

حضرت کا دارِ فانی سے رحلت فرما جانا ایک ایسا سانحہ ہے جس کی تلافی نہیں ہو سکتی، اللہ تعالیٰ حضرتِ اقدس کے فیوض و برکات کو تا قیامِ قیامت جاری و ساری رکھے۔

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جامعہ راشدیہ پیر جو گوٹھ، مسجد رضا پیر جو گوٹھ، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی، مسجد رضا و مجلس رضا، لاہور، رضا اکیڈمی، لاہور، جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور مکتبہ قادریہ، لاہور اور جامعہ راشدیہ سے متعلق بیسیوں ادارے جن کی آپ سرپرستی فرماتے رہے، شاہراہ ترقی و کامران پر گامزن رہیں اور پھلتے پھولتے رہیں۔

حافظ عبد الستار سعیدی — ناظم تعلیمات جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور

محمد عبد القیوم ہزاروی — ناظم اعلیٰ جامعہ نظامیہ رضویہ و تنظیم المدارس پاکستان، لاہور

۹ رجب ۱۴۰۸ھ/ ۲۸ فروری ۱۹۸۸ء — محمد عبد الحکیم شرف قادری

سیّد السادات مفتی اعظم پاکستان

حضرت مولانا علامہ ابوالبرکات سیّد احمد قادری قدس سرہٗ

دنیائے علم کے لئے عموماً اور ارضِ پاکستان کے لئے خصوصاً حضرت سیّد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ گرامی ابر رحمت کی حیثیت رکھتی ہے۔ عوام و خواص، بیماری اور آسیب کے علاج کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ کے انفاسِ مبارکہ کی برکت سے شفایاب ہوتے۔ مسائلِ دینیہ معلوم کرنے کے لئے آپ سے رجوع کرتے، عید، بقر عید اور رمضان المبارک کے چاند کا شرعی ثبوت دریافت کرنے کے لئے آپ کے پاس حاضری دیتے اور آپ کے فتویٰ اور بیان کردہ حکمِ شرعی پر اس قدر اعتماد کرتے کہ اُس کے مخالف کسی فتویٰ یا سرکاری اعلان کو اہمیت نہ دیتے۔ رویتِ ہلال کے موقع پر تو علماء کرام اور عوام کا اتنا ہجوم ہوتا کہ تمام رات بیٹھے بیٹھے گزر جاتی۔

ایک دفعہ ریڈیو پر اعلان ہوا کہ صبح عید ہے، سیّد صاحب کے حکم سے شہر بھر میں لاؤڈ سپیکر پر اعلان کر دیا گیا کہ ''چونکہ چاند کا شرعی طور پر ثبوت نہیں ملا، اِس لئے صبح روزہ ہوگا۔'' اے سی صاحب نے فون کیا، اور بڑی ترشی سے پوچھا: ''روزے کا اعلان کس کے حکم سے کیا گیا؟'' سیّد صاحب نے بھی اُسی تیزی سے جواب دیا: ''جس کے حکم سے روزہ رکھا جاتا ہے، اور عید منائی جاتی ہے۔'' اربابِ حکومت سیّد صاحب کے مقام اور ان کی عظمت سے واقف تھے اِس لئے اُن کے خلاف کوئی کارروائی نہ کر سکے۔

۱۹۵۳ء میں تحریکِ ختمِ نبوت کے دوران ملک بھر میں مارشل لاء کے تحت لاؤڈ سپیکر پر پابندی تھی لیکن سیّد صاحب کا درسِ کلام پاک جاری رہا۔ کوتوالی قریب ہونے کے باوجود کسی کو آپ کا سپیکر بند کرانے کی ہمّت نہ ہو سکی۔

خطیب پاکستان حضرت مولانا علامہ غلام الدین رحمہ اللہ تعالیٰ خطیب جامع مسجد صدیقیہ، انجن شیڈ، لاہور کے خطیب تھے، جمعہ کے روز عظیم اجتماع ہوتا تھا اُن کی تقریر کے دوران حضرت مفتی پاکستان ٹانگے پر سوار ہو کر جمعہ پڑھانے کے لئے دہلی دروازے سے لوکو شاپ تشریف لے جاتے اور ابھی اُن کی تقریر جاری ہی ہوتی تھی کہ سیّد صاحب واپس تشریف لے جاتے تھے۔ سیّد صاحب کا جب بھی گزر ہوتا تو خطیب پاکستان اپنی تقریر روک کر کہتے ''السلام علیک یا سیّدی وسندی'' ایک نامور خطیب اور صاحب طرز مقرر کا اپنے اُستاذ مکرم کے لئے یہ وہ احترام تھا جس کی مثال آج ڈھونڈے سے نہیں مل سکتی۔

سیّد صاحب کے پاس تعویذ لینے کے لئے مردوں اور عورتوں کا بکثرت رجوع ہوتا تھا سیّد صاحب پوچھتے: ''نماز پڑھتے ہو یا نہیں؟'' تعویذ کا طلبگار کہتا کہ ''نہیں پڑھتا'' یا ''کبھی کبھار پڑھتا ہوں'' تو فرماتے: تم نماز نہیں پڑھتے تو اللہ تعالیٰ تم سے راضی نہیں اور جب اللہ تعالیٰ تم سے ناراض ہے تو میرا تعویذ وہاں کیا کام کرے گا؟'' اِس انداز سے نماز ادا کرنے کی تلقین فرماتے تھے۔

علمائے کرام کو جب کوئی لاینحل مسئلہ پیش آجاتا یا کسی مسئلہ میں اختلاف ہوجاتا تو ہر کسی کی نظر سیّد صاحب پر ہی پڑتی۔ پاکستان ہی نہیں دنیا کے کسی خطے میں بھی آپ کے جاننے والے کسی مسئلے میں رہنمائی کی ضرورت محسوس کرتے تو بے ساختہ کہہ اُٹھتے: ''سیّد صاحب کو خط لکھ کر اُن سے معلوم کرلیں گے۔''

سیّد صاحب سے جب بھی کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو فوراً اُس کا جواب عنایت فرماتے اور کتب معتبرہ کی عبارات حافظہ کی مدد سے پڑھ کر سنا دیتے۔ پھر مزید تشفی کے لئے کتابیں منگوا کر دکھا بھی دیتے۔ خاص طور پر ''فتاویٰ رضویہ'' پر بڑا اعتماد فرماتے اور عموماً اُسی میں سے مسائل نکال کر دکھا دیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ راقم الحروف نے پوچھا کہ ''عورت کا دودھ پاک ہونے کی تصریح کسی کتاب سے مل جائے گی؟'' فرمایا: ''ہاں!'' اور اُسی وقت ''فتاویٰ رضویہ'' سے یہ تصریح دکھا دی۔

سیّد صاحب قدس سرہٗ کا ایک خاص وصف یہ تھا کہ سوال و جواب کی کثرت سے اُکتاہٹ محسوس نہیں فرماتے تھے اور سائل کو تسلی کرانے میں ایک گونہ راحت محسوس فرماتے تھے، غالباً ۱۹۶۶ء کی بات ہے کہ راقم الحروف، دہلی دروازہ، حاضر ہوا اور عرض کیا کہ ''ایک شعر میں ''عَنْدَمْ'' کا لفظ استعمال ہوا ہے اِس کا کیا معنی ہے؟'' آپ نے محض تسلی کرانے کے لئے پہلے تو یکے بعد دیگرے لغت کی کئی کتابیں منگوائیں۔ پھر طب کی متعدد کتابیں طلب فرمائیں اور کسی لحہ بھی یہ احساس نہیں ہونے دیا کہ آپ پہلو تہی فرمارہے ہیں۔ ''عَنْدَمْ'' ایک درخت کا گوند ہے جو سرخ ہوتا ہے۔ جب بہتا ہے۔ تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے آنسو بہہ رہے ہوں اُسے ''دم الاخوین'' بھی کہتے ہیں ــــــ وہ شعر یہ تھا ۔

اَفْکَرْتُ لَیْلَةَ وَصْلِهَا فِیْ هِجْرِهَا   فَجَرَتْ مَدَامِعُ مُقْلَتِیْ کَالْعَنْدَمِ
فَجَعَلْتُ اَمْسَحُ نَاظِرَیَّ بِخَدِّهَا   مِنْ عَادَةِ الْکَافُوْرِ اِمْسَاكُ الدَّمِ

''شرح جامی'' کی شرح ''عقد نامی'' میں ہے کہ ایک صحابی کے نکسیر پھوٹ پڑی۔ وہاں عربی کے مشہور شاعر امراء القیس کی بیٹی موجود تھی۔ اُس نے کہا کہ ''انہیں کافور سنگھایا جائے'' چنانچہ نکسیر رُک گئی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پوچھا: ''تمہیں کافور کی اِس خاصیت کا کیسے پتا چلا؟'' تو اُس نے مذکورہ بالا شعر پڑھ کر سنائے۔ اِس پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''بعض شعر حکمت ہوتے ہیں۔''

سیّد صاحب قدس سرہٗ کے پاس عوام و خواص کی آمد و رفت اِس قدر ہوتی کہ آپ کو آرام کا موقع بھی نہ ملتا۔ ایک دفعہ آپ کی طبیعت ناساز تھی اور نیاز مند مزاج پُرسی کے لئے بکثرت آرہے تھے۔ آپ کے داماد نے تجویز پیش کی کہ کسی کو دروازے پر متعین کردیا جائے تاکہ آرام کے وقت کسی کو نہ آنے دے۔ حضرت سیّد صاحب نے یہ تجویز ماننے سے انکار کردیا۔ اور فرمایا:

ع ''درِ درویش را درباں نباید''

مذہبی امور اور دینی مسائل پر گفتگو آپ کی طبیعتِ ثانیہ بن چکی تھی۔ آپ کی مجلس میں کیا مجال کہ دنیاوی گفتگو ہو، وہاں تو ہر وقت قال اللہ وقال الرسول کا چرچا رہتا اور ہر وقت مسلک اہلسنّت و جماعت کی تائید وتقویت کا ذکر رہتا۔

۱۹۷۱ء میں حاضر ہوا تو فرمانے لگے:

''گزشتہ دنوں پاکستان اور ہندوستان کی جنگ کے سبب حدیث شریف کے اسباق جاری نہ رہ سکے، میں نے فرصت کے اِن لمحات میں ''تمہید ابوشکور سالمی'' کا ترجمہ کر دیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ایک دفعہ اِس کا اصل کے ساتھ مقابلہ ہو جائے، تو بہتر ہوگا۔''

اِسی گفتگو کے دوران فرمایا:

''حضرت مصنف، حضرت داتا صاحب (قدس سرہما) کے ہم عصر معلوم ہوتے ہیں لیکن یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اُن سے ملاقات بھی ہوئی یا نہیں؟''

پھر فرمایا:

''حضرت امام ابوشکور سالمی رحمہ اللہ تعالیٰ ہر مسئلے میں اتنے مذاہب اور اقوال بیان فرماتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ اتنی تفصیل کسی جگہ شاید ہی ملے۔ اشاعرہ کو بھی اہلسنّت کے مقابل ذکر کرتے ہیں۔''

قال اهل السنة كذا وقال الاشاعرة كذا۔

راقم الحروف نے پوچھا: ''کیا یہ ماتریدی ہیں؟'' فرمایا:

''ہاں! اسی لئے تو میں اِس کو زیادہ اہمیت دیتا ہوں، طالبعلمی کے دور میں ہمیں اِس کا ایک نسخہ بدایوں سے ملا تھا جسے ہم نے نقل کر کے پڑھا تھا۔''

''راقم بڑی حیرت اور محویت سے سیّد صاحب کے ارشادات سن رہا تھا کہ پیرانہ سالی میں بھی اتنا علمی ذوق کہ کسی لمحہ بھی فارغ رہنا گوارا نہیں فرماتے۔ پاکستان میں سیّد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ہی ''تمہید شریف'' کی اشاعت کی تھی اور باقاعدگی سے پڑھایا کرتے تھے۔

کانفرنس اہلسنّت و جماعت کی وہ نمائندہ جماعت تھی جس نے اپنی تمام تر توانائی تحریکِ پاکستان کی حمایت کے لئے صرف کر دی۔ ۱۹۴۶ء میں منعقد ہونے والی سُنی کانفرنس، بنارس کا اجلاس تو اِس تحریک کے لئے سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اِس جماعت کے سر پرست امیرِ ملّت حضرت پیر سیّد جماعت علی شاہ محدّث علی پوری اور محدثِ اعظم ہند مولانا علامہ سیّد محمد محدثِ کچھوچھوی اور اِس کی روحِ رواں صدر الافاضل مولانا علامہ سیّد محمد نعیم الدین مراد آبادی (قدست اسرارہم) تھے۔

ہمارے بعض احباب شکایت کرتے ہیں کہ تاریخی اور نصابی کتابوں میں ملّتِ اسلامیہ کے اِن محسنوں کی دینی، ملّی اور پاکستان کے لئے کی جانے والی خدمات کو ان کے شایانِ شان پیش نہیں کیا جاتا ہے حالانکہ یہ کام خود ہمارے کرنے کا تھا۔ یاد رکھئے جو قوم اپنے لئے کچھ نہیں کر سکتی اُسے دوسروں سے شکایت کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ حضرت محدثِ اعظم ہند کچھوچھوی قدس سرہٗ کے بے شمار مریدین اور خود اُن کے خانوادے کے اصحابِ علم اگر اُن کی خدمات جلیلہ کو تاریخ کے اوراق میں محفوظ کرنے کی کوشش نہیں کرتے اور اگر اہلسنّت و جماعت اِس طرف متوجہ نہیں ہوتے تو دوسروں کو کیا پڑی ہے کہ وہ اُن پر کام کریں؟

حضرت محدثِ اعظم ہند مولانا سیّد محمد محدثِ کچھوچھوی رحمہ اللہ تعالیٰ کو اللہ تعالیٰ نے حسن و جمال اور فضل و کمال کا پیکرِ جمیل بنایا تھا۔ وجاہت کا یہ عالم تھا کہ سینکڑوں علماء و مشائخ کے اجتماع میں وہی میرِ محفل دکھائی دیتے تھے۔ گفتگو فرماتے تو یوں معلوم ہوتا کہ ان کے ہونٹ پھول اور موتی برسا رہے ہیں۔ وہ بلاشبہ اپنے دور کے سحبان تھے۔ خطاب شروع کرتے تو مجمع پر سناٹا چھا جاتا۔ ہر شخص سراپا گوش بن کر محویت میں ڈوب جاتا۔ آپ کا مدلّل بیان ایک سیلِ رواں تھا جو سامعین کو اپنے ساتھ بہا لے جاتا اور ان کے دل و دماغ کو قائل کئے بغیر نہ چھوڑتا۔ وہ عقیدے کے سچے اور دُھن کے پکے تھے انہوں نے اپنے بزرگوں کی ہدایت اور رہنمائی سے جو راستہ منتخب کیا اُس کے لئے اپنی تمام توانائی صرف کر دی۔

شاعرِ بارگاہِ رسالت حضرت مولانا ضیاء القادری رحمہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی شانِ خطابت کا نقشہ اِن الفاظ میں کھینچا ہے:

''کتابی چہرہ آیاتِ جلالی کا ترجمان، بڑی بڑی کشادہ آنکھیں گنبدِ خضراء کی تجلیّات سے معمور، آواز میں ہیبت اور جبروت کے ساتھ ساتھ حلاوت کا انداز بھی، مقفع و مسجع، فصیح و بلیغ خطبہ پڑھ کر مجمع کو مخاطب کر رہا ہے۔ اگر آیاتِ قرآنی کی تفسیر کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو حقائق و معارف کا قلزمِ ذخّار، دل نشین فقرات اور ایمان افروز الفاظ میں طوفان خیز معلوم ہوتا ہے۔ اگر احادیث نبوی کی شرح و وضاحت پر مائل ہوتا ہے تو رُشد و ہدایت کی سنہری بدلیاں بارانِ رحمت میں مصروف نظر آتی ہیں، اگر فضائل و محامد کی جانب دماغ راغب ہوتا ہے تو بے شمار مسائلِ علم و عرفان حل ہو جاتے ہیں۔ مجمع ہے کہ وجد آفریں انداز میں جھوم رہا ہے، سبحان اللہ! وصلّی اللہ! کے نعروں سے فضا گونج رہی ہے، حاضرین پر کیف طاری ہے، ایمان تازے ہو رہے ہیں، دلوں سے سیاسی خود بخود دور ہوتی جا رہی ہے۔''[۱]

ولادتِ باسعادت

حضرت محدث اعظم ہند کی ولادت با سعادت ۱۵ ذیقعدہ بروز بدھ ۱۳۱۱ھ قصبہ جائس، رائے بریلی میں ہوئی، آپ جیلانی اور سمنانی سادات کا مرقّع تھے۔ آپ کے مورثِ اعلیٰ محبوبِ یزدانی حضرت مخدوم سلطان سیّد اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہٗ ہیں جن کا مزار پُرانوار کچھوچھہ شریف ضلع فیض آباد میں ہے۔ دوسری طرف آپ کو محبوب سبحانی حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ کی اولاد امجد ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔

تعلیم و تربیت

والدہ ماجدہ نے چھ ماہ میں قاعدہ بغدادی اور تیسواں پارہ ختم کرا دیا۔ باقی ۲۹ پارے ۲۹ دن میں پڑھ کر پانچ سال کی عمر میں قرآن پاک ختم کر لیا۔ سکول میں دو

جماعتیں پڑھنے پائے تھے کہ والد ماجد حضرت مولانا سیّد نذر اشرف رحمہ اللہ تعالیٰ نے سکول سے اُٹھالیا اور خود عربی فارسی کی تعلیم دینا شروع کر دی۔ ابتدائی تعلیم سے لے کر کافیہ تک کتابیں خود پڑھائیں۔ مزید تعلیم کے لئے مدرسہ نظامیہ، فرنگی محل لکھنو میں داخل کرا دیا۔ وہاں سے مولوی اور مولانا کی سندیں حاصل کیں۔ علی گڑھ میں حضرت مولانا مفتی لطف اللہ علی گڑھی سے شرح تجرید، افق المبین اور شرح مطالع پڑھیں، اُستاذِ گرامی نے سند عنایت کی تو اُس میں نام کے ساتھ علامہ تحریر فرمایا، پیلی بھیت میں حضرت مولانا وصی احمد محدّث سورتی رحمہ اللہ تعالیٰ سے صحاح ستہ، موطا اور شرح معانی الآثار پڑھ کر سندِ حدیث حاصل کی۔ اِس کے بعد بریلی شریف، امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کے پاس حاضر ہوئے اور فتویٰ نویسی کی تربیت حاصل کی۔ پھر آستانہ عالیہ قادریہ بدیواں تشریف لے گئے اور حضرت مولانا شاہ مطیع الرسول عبدالمقتدر بدایونی رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی سند حدیث حاصل کی۔ سترہ سال کی عمر میں جبکہ ابھی داڑھی بھی نہیں اُتری تھی تمام مروّجہ علوم کی تحصیل سے فارغ ہو کر مسند تدریس پر فائز ہو گئے۔ دہلی میں مدرسۃ الحدیث قائم کیا، اور کئی سال تک درس حدیث دیا۔[۱] اسی لئے آپ ''محدثِ کچھوچھوی'' کے لقب سے مشہور ہوئے۔

بیعت وخلافت:

اپنے نانا حضرت محبوب سبحانی شاہ علی حسین اشرفی قدس سرہٗ کے ایماء پر اپنے ماموں عارفِ ربّانی حضرت مولانا شاہ احمد اشرف رحمہ اللہ تعالیٰ کے دستِ اقدس پر بیعت ہوئے اور چند سال ریاضت ومجاہدہ میں مصروف رہے، یہاں تک کہ تمام سلاسل میں خلافت حاصل کی اور وہ بھی مدینہ منورہ میں مواجہہ عالیہ میں[۲]

حضرت محدثِ اعظم ہند قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

احمدِ حق نما دیا ، اشرف با خدا دیا
مجھ کو میرے کریم نے پیر بہت بڑا دیا[۳]

سلسلۂ رُشد و ہدایت:

حضرت محدثِ کچھوچھوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے وعظ و تبلیغ اور رُشد و ہدایت کے میدان میں قدم رکھا تو اِس سلسلے میں انتھک جدوجُہد کی، پانچ ہزار غیر مسلم آپ کے ہاتھوں پر مشرف باسلام ہوئے، لاکھوں افراد نے بیعت کی، چار دفعہ حج و زیارت کی سعادت سے مشرف ہوئے۔[۵]

سرکارِ دو عالم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت و عقیدت تو ان کے رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے تھی ـــــ ''فرش پر عرش'' کا انتساب ملاحظہ ہو:

''مجھے تہدیہ اور تبریک کے لئے کہا جاتا ہے ـــــ تو یہ سب کچھ اُس آقائے دو جہاں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے نام پاک پر ہے۔ جس کی سچی اور والہانہ وفاداری کا نام اسلام ہے۔''

(ابوالحامد سید محمد اشرفی جیلانی)

کئی زائرین جب مدینہ منورہ سے رُخصت ہوتے ہیں تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر الوداع کہتے ہوئے روانہ ہوتے ہیں لیکن محدثِ اعظم ہند قدس سرہٗ حج کا احرام باندھ کر بارگاہِ ناز میں حاضر ہوتے ہیں تو یوں گویا ہوتے ہیں:

بلاوا آ رہا ہے کعبہ و عرفات سے میرا
ترے قدموں پہ چمکی آج قسمت میرے سجدہ کی
مدینہ مجھ سے چھوٹا تھا، نہ چھوٹا ہے نہ چھوٹے گا
رچی ہے میری رگ رگ میں تجلی ماہِ طیبہ کی
تمہارا حکم مجھ کو لے چلا ہے خانۂ کعبہ
یہ حج کیا ہے؟ اطاعت ہے شہنشاہِ مدینہ کی
تمہارے سامنے لبیک کہتا ہوں ترے ربّ سے
بحمد اللہ عزت بڑھ گئی ہے میرے نعرہ کی

جدا تم کو سمجھنا اِس پہ رونا، اے معاذ اللہ!
سمجھتا ہوں اِسے توہین میں اپنے عقیدہ کی
مدینہ سے شہنشاہِ مدینہ کی معیت میں
چلا ہوں رُخ بکعبہ کر کے نیّت حج وعمرہ کی
تری ہمنامی، سیّد کا سہارا ہے مرے مولا
کہ ہے معلوم پابندی، تمہاری اپنے ذمّہ کی[۱]

ایک دوسری نعت کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

جو نہیں اسیرِ زُلفِ نبی ؎ حریت اُس کی کیا، حکومت کیا؟
دشمن دیں پہ بھیجئے لعنت ؎ اُن کے گستاخ کی مروّت کیا؟
بِک گئے جس کے ہاتھ بِک ہی گئے ؎ یہ نہیں ہے، تو رسم بیعت کیا؟
ہے در یار کا یہی کوچہ ؎ ورنہ فرمایئے شریعت کیا؟
میں سمجھتا نہیں ہوں بے اُن کے ؎ قوم کیا، ملک کیا ہے، ملّت کیا؟
اُن کے دشمن سے میل ہے تو ترا ؎ دین کیا؟ دین کی حمیّت کیا؟
اہلسنّت کے سامنے آئے ؎ تھانوی کی مجال ، ہمت کیا؟
نام تک میں ترے وہابی دیکھ ؎ آئے تینوں حروف علت کیا؟
اہلِ حق کی زباں ہے سیف اللہ
تیغ کو کاٹنے میں غیرت کیا؟[۲]

ایک دفعہ ایک صاحب علم سے بات ہو رہی تھی: ''حضرت محدثِ اعظم کا کلام بڑا زور دار ہے''۔ وہ کہنے لگے کہ: ''شعر تو پھر شعر ہے، وہ تو نثر میں بھی شاعری کرتے تھے''۔

سلطان الہند حضرات خواجہ معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہٗ العزیز کی بارگاہ میں استغاثہ کے چند اشعار ملاحظہ ہوں، جن میں دردو سوز بھی ہے، اور روانی اپنے عروج پر ہے:

ولی الہند، سلطانِ ولایت ، چشت کے راجا
سخا و جود کے فضل و عطا کے ، فیض کے دریا
مرے مولا، مرے آقا، مرے حامی، میرے داتا
کھڑا ہے در پہ خالی ہاتھ پھیلائے تیرا منگتا
شہنشاہا معینا دستگیرا مُرشدا خواجہ
طفیل رحمۃ للعالمین چشمِ کرم بَرمَا

تعالیٰ اللہ کیا ہیں خوبیاں حُسنِ شمائل کی
زمانے میں مچی ہے دھوم پاکیزہ خصائل کی
ذرا سن لیجئے کچھ داستاں اِک دل کے گھائل کی
خبر لے اے کریم ابن کریم اب اپنے سائل کی
شہنشاہا معینا دستگیرا مُرشدا خواجہ
طفیل رحمۃ للعالمین چشمِ کرم برمَا

حوادث کی تحیّر آفرینی ہو گئی بے حد
کمالے را زوال و ہر زوالے را کمال آمد
بہت کاٹی شب فرقت اِسے کر دیجئے اب ردّ
نکل اے آفتاب حسنِ سرمد ازپئے احمد
شہنشاہا معینا دستگیرا مُرشدا خواجہ
طفیلِ رحمۃ للعالمین چشمِ کرم برمَا[۵]

فتاویٰ نویسی:

حضرت محدثِ اعظم علیہ الرحمہ تحصیل علوم کے بعد فتویٰ نویسی کی تربیت حاصل کرنے کے لئے اپنے دور کے فقید المثال مفتی، اعلیٰ حضرت امامِ اہلسنّت مولانا شاہ احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہوئے ،محدّث صاحب نے انہیں کیسا پایا، خودان کی زبانی سنئے:

''آج میں آپ کو جگ بیتی، بلکہ آپ بیتی سنا رہا ہوں کہ جب تکمیلِ درسِ نظامی و تکمیلِ درسِ حدیث کے بعد میرے مربّیوں نے کارِ انتہا کے لئے اعلیٰ حضرت کے حوالے کیا، زندگی کی یہی گھڑیاں میرے لئے سرمایۂ حیات ہو گئیں اور میں محسوس کرنے لگا کہ آج تک جو کچھ پڑھا تھا وہ کچھ نہ تھا اور اب ایک دریائے علم کے ساحل کو پالیا ہے۔ علم کو راسخ فرمانا اور ایمان کو رگ و پے میں اتار دینا اور صحیح علم دے کر نفس کا تزکیہ فرما دینا، یہ وہ کرامت تھی جو ہر منٹ پر صادر ہوتی رہتی تھی''۔[9]

یہ وہ تاثرات ہیں جو حضرت محدثِ اعظم ہند نے شوال ۱۳۷۹ھ میں بمقام ناگپور یومِ ولادتِ امام احمد رضا کے اجلاس میں بیان فرمائے۔ اِسی موقع پر فرمایا:

''تیرہویں صدی کی یہ واحد شخصیت تھی، جو ختمِ صدی سے پہلے علم و فضل کا آفتابِ فضل و کمال ہو کر اسلامیات کی تبلیغ میں عرب و عجم پر چھا گئی اور چودھویں صدی کے شروع ہی میں پورے عالم اسلامی میں اِس کو حق و صداقت کا منارۂ نور سمجھا جانے گا۔ میری طرح سے سارے حل و حرم کو اس کا اعتراف ہے کہ اِس فضل و کمال کی گہرائی اور اِس علمِ راسخ کے کوہِ بلند کو آج تک کوئی نہ پا سکا''۔[10] (یعنی معاصرین میں سے)

تصنیفی و تالیفی خدمات:

حضرت محدثِ اعظم قدس سرہٗ نے گوناگوں مصروفیات کے باوجود تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری رکھا، ۳۵ رسائل و کتب زیورِ طبع سے آراستہ ہو گئے، تقریباً اتنے ہی رسائل وہ تھے جو طبع نہ ہو سکے، تقریباً ہر فن کی کسی نہ کسی کتاب پر حواشی لکھے، آپ کے کلام کا مجموعہ ''فرش پر عرش'' کے نام سے طبع ہو چکا ہے جو نعتیہ کلام اور مناقب پر مشتمل ہے۔ عام طور پر کلام اردو میں ہے، کہیں کہیں فارسی اور ہندی کلام بھی پڑھنے کو مل جاتا ہے۔ کہیں کہیں عربی اشعار بھی مل جاتے ہیں۔ قرآنِ پاک کا ترجمہ لکھا، تفسیر بھی شروع کی تھی، لیکن چند پاروں پر ہی کام کیا تھا کہ وقتِ رحلت آ گیا۔

امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ترجمہ کا ابتدائی حصّہ دیکھ کر فرمایا:

''شہزادے! اردو میں قرآن لکھ رہے ہو؟''[۱۱]

آپ کی مطبوعہ تصانیف میں ''تقوی القلوب'' بھی ہے جس میں آپ نے نجدیوں کے حرمین شریفین میں مظالم کا تذکرہ کیا ہے، اور نجدی نواز ہندوستانی علماء کا عالمانہ انداز میں محاسبہ کیا ہے۔

متحدہ پاک و ہند میں اہلسنّت کی دو جماعتوں کا بھرپور کردار رہا ہے:

۱- جماعت رضائے مصطفیٰ، ۲- آل انڈیا سُنّی کانفرنس۔

حضرت محدثِ اعظم ہند اوّل الذکر جماعت کے صدر رہے اور ۱۳۶۵ھ میں بالاتفاق آل انڈیا سُنّی کانفرنس کے صدر منتخب ہوئے[۱۲]

قیامِ پاکستان کے لئے خدمات

حضرت محدثِ اعظم ہند، ملّتِ اسلامیہ کا سچا درد رکھنے والے قائد تھے۔ تحریکِ پاکستان کے صف اوّل کے قائدین میں نہایت نمایاں مقام رکھتے تھے۔ نظریۂ پاکستان کو عوام و خواص تک پہنچانے کے لئے دور دراز کے سفر کیے۔ شہر تو شہر، قصبہ و دیہات میں جا کر مطالبۂ پاکستان کے حق میں زمین ہموار کی۔

آل انڈیا سُنّی کانفرنس، بنارس کا اجلاس تحریکِ پاکستان کے لئے سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ اجلاس ۲۷ رتا ۳۰ راپریل ۱۹۴۶ء فاطماں باغ، بنارس میں منعقد ہوا، جس میں دو ہزار علماء و مشائخ اور ساٹھ ہزار سے زیادہ عوام النّاس نے شرکت کی۔ مجلس کے صدر کی حیثیت سے حضرت محدثِ اعظم نے خطبۂ صدارت دیا، جو فصاحت و بلاغت کا شاہکار ہے۔ اِس میں نہ صرف قومی بیماریوں کی تشخیص کی گئی ہے، بلکہ اُن کا علاج بھی تجویز کیا گیا ہے۔ درجِ ذیل سطور میں اِس خطبہ کے چند اقتباسات ملاحظہ ہوں:

> ''میرے دینی رہنماؤ! میں نے عرض داشت میں ابھی ابھی ''پاکستان'' کا لفظ استعمال کیا ہے، اور پہلے بھی کئی جگہ پاکستان کا لفظ آچکا ہے۔ ملک میں

اس لفظ کا استعمال روزہ مرہ بن گیا ہے۔ درو دیوار پر پاکستان زندہ باد، تجاویز کی زبان میں پاکستان ہمارا حق ہے۔ نعروں کی گونج میں پاکستان لے کے رہیں گے۔ مسجدوں میں، خانقاہوں میں، بازاروں میں، ویرانوں میں لفظ پاکستان لہرا رہا ہے۔ اِس لفظ کو پنجاب کا یونینسٹ لیڈر بھی استعمال کرتا ہے، اور ملک بھر میں ہر لیگی بھی بولتا ہے، اور ہم سُنیوں کا بھی یہی محاورہ ہو گیا اور جو لفظ مختلف ذہنیتوں کے استعمال میں ہو، اُس کے معنی مشکوک ہو جاتے ہیں۔ جب تک بولنے والا اُس کو واضح طور پر نہ بتا دے۔ یونینسٹ کا پاکستان وہ ہوگا جس کی مشینری سردار جوگندر سنگھ کے ہاتھ میں ہوگی۔ لیگ کے پاکستان کے متعلق دوسری قومیں چیختی ہیں کہ اب تک اُس نے پاکستان کے معنی نہ بتائے اور جو بتائے وہ الٹے پلٹے ایک دوسرے سے لڑتے بتائے۔ اگر یہ صحیح ہے تو لیگ کا ہائی کمانڈر اس کا ذمہ دار ہے، لیکن جن سُنیوں نے لیگ کے اِس پیغام کو قبول کیا ہے، اور جس یقین پر اِس مسئلہ میں لیگ کی تائید کرتے پھرتے ہیں وہ صرف اِس قدر ہے کہ ہندوستان کے ایک حصہ پر اسلام کی، قرآن کی آزاد حکومت ہو، جس میں غیر مسلم ذمیوں کے جان و مال، عزت و آبرو کو حسب حکم شرع امن دیا جائے، اُن کو، اُن کے معاملات کو، ان کے دین پر چھوڑ دیا جائے۔ وہ جانیں اُن کا دھرم جانے۔ ان کو اتموا الیھم عھدھم سنا دیا جائے اور بجائے جنگ و جدل کے صلح و امن کا اعلان کر دیا جائے۔ ہر انسان اپنے پُر امن ہونے پر مطمئن ہو جائے۔ اگر سُنیوں کے اِس سمجھی ہوئی تعریف کے سوا لیگ نے کوئی دوسرا راستہ اختیار کیا تو کوئی سنی قبول نہیں کرے گا۔"[۳۱]

آل انڈیا سُنی کانفرنس کے مطلوب، پاکستان کا نقشہ کھینچتے ہوئے فرماتے ہیں:

"آل انڈیا سُنی کانفرنس کا پاکستان ایک ایسی خود مختار آزاد حکومت ہے جس میں شریعتِ اسلامیہ کے مطابق فقہی اُصول پر کسی قوم کی نہیں بلکہ اسلام کی

حکومت ہو، جس کو مختصر طور پر یوں کہیے کہ خلافتِ راشدہ کا نمونہ ہو۔ ہماری آرزو ہے کہ اسی وقت ساری زمین پاکستان ہو جائے۔ لیکن اگر عالمِ اسباب میں رفتہ رفتہ، درجہ بدرجہ، حصہ بحصہ تھوڑا تھوڑا کر کے پاکستان بنتا جائے تو اس کو بنایا جائے۔ کسی حصہ زمین کو پاکستان بنانا، اس کے سوا دوسرے حصہ کے ناپاک رہنے پر رضا مندی نہیں ہے، بلکہ عالمِ اسباب میں حکمتِ تدریج ہے''۔[۱۴]

۲۹/ اپریل ۱۹۴۶ء کو آل انڈیا سُنّی کانفرنس، بنارس میں مطالبہ پاکستان کی حمایت میں درج ذیل قرارداد پاس کی گئی۔

''آل انڈیا سُنّی کانفرنس کا یہ اجلاس مطالبہ پاکستان کی پُرزور حمایت کرتا ہے، اور اعلان کرتا ہے کہ علماء و مشائخ اہلسنّت اسلامی حکومت کے قیام کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے ہر امکانی قربانی کے واسطے تیار ہیں، اور یہ اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ایک ایسی حکومت قائم کریں جو قرآنِ کریم اور حدیث نبوی کی روشنی میں فقہی اُصول کے مطابق ہو''۔[۱۵]

وصالِ پُر ملال:

۱۶/ رجب المرجب ۳/ دسمبر ۱۳۸۳ھ/ ۱۹۶۳ء بروز پیر ملت اسلامیہ کے محسن تحریکِ پاکستان کے عظیم قائد حضرت مولانا سیّد محمد محدثِ کچھوچھوی قدس سرہٗ العزیز دار فانی سے رحلت فرما گئے[۱۶] اور اپنے پیچھے لاکھوں عقیدتمندوں کے علاوہ دو صاحبزادیاں اور چار صاحبزادے سوگوار چھوڑ گئے۔

اولادِ امجاد:

صاحبزادوں میں سے حضرت علامہ سیّد محمد مدنی میاں مدظلہ اور حضرت علامہ سیّد محمد ہاشمی میاں مدظلہ، بین الاقوامی خطیب اور پیر طریقت ہیں، ہندوستان اور بیرونِ ہند وعظ و تبلیغ اور دعوت وارشاد کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔

حوالہ جات

۱؎ ــــ ضیاء القادری مولانا: ابتدائیہ فرش پر عرش، طبع بمبئی، ص ۲

۲؎ ــــ ایضاً، ص ۴-۳

۳؎ ــــ ایضاً" ص ۵-۴

۴؎ ــــ محمد محدثِ کچھوچھوی، سید: فرش پر عرش، ص ۱۵

۵؎ ــــ محمود احمد قادری، شاہ: تذکرہ علماء اہلسنت (کانپور، انڈیا) ص ۲۳۵

۶؎ ــــ محمد محدث کچھوچھوی، سیّد: فرش پر عرش، ص ۲۶۹

۷؎ ــــ ایضاً ــــ ص ۱۳-۱۲

۸؎ ــــ محمد محدثِ کچھوچھوی، سیّد: فرش پر عرش: ص ۳۸

۹؎ ــــ عبدالنبی کوکب: قاضی، مقالاتِ یوم رضا (طبع لاہور) ج ا، ص ۳۸

۱۰؎ ــــ ایضاً ص ۳۵

۱۱؎ ــــ محمد اعظم نورانی، مولانا: محدثِ اعظم کچھوچھوی اور تحریکِ پاکستان (رضا اکیڈمی) لاہور، ص ۱۸

۱۲؎ ــــ محمد صادق قصوری، میاں: اکابر تحریکِ پاکستان (نوری کتاب خانہ، لاہور) ج ا ص ۲۰۹

۱۳؎ ــــ محمد جلال الدین قادری، مولانا خطبات آل انڈیا سُنی کانفرنس (طبع لاہور) ص ۷۶-۲۷۵

۱۴؎ ــــ ایضاً ص ۲۷۷

۱۵؎ ــــ محمد جلال الدین قادری، مولانا: خطبات آل انڈیا سُنی کانفرنس، ص ۲۸۳

۱۶؎ ــــ محمد صادق قصوری، میاں: اکابر تحریکِ پاکستان، ج ا ص ۲۱۳

حضرت علامہ مولانا مفتی غلام جان ہزاروی

ثُم لاہوری قدس سرہٗ العزیز

بوالمظفر اے کہ عبد المصطفیٰ　　مصدرِ ایقانِ عالی دودماں
با غلامانِ محمد نسبتش　　در شریعت رہبر پیر و جواں
مفتیِ اعظم زہے بے قیل وقال　　اے کہ در لاہور چوں پیشین گاں

حضرت مولانا مفتی ابو المظفر عبد المصطفیٰ غلام جان ابن مولانا احمد جی ابن مولانا محمد عالم ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۶ء میں مقام اوگرہ تحصیل مانسہرہ ضلع ہزارہ میں پیدا ہوئے۔

تعلیم وتربیت:

قرآنِ مجید اور فارسی نظم ونثر اور صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں اپنے والد سے پڑھیں، اُس کے بعد شوقِ علم میں دہلی اور سہارن پور کی درس گاہوں میں بھی گئے۔ مدرسہ عالیہ جامع مسجد آگرہ کے اساتذہ سے بھی کسبِ علم کیا۔ مولانا غلام رسول (انہی ضلع گجرات) سے ''حمد اللہ'' اور ''زواہد ثلاثہ'' کا درس لیا۔ مینڈھو ضلع اعظم گڑھ اور گلاوٹی ضلع بُلند شہر میں معقول کی کتابیں پڑھیں۔ ٹونک میں حضرت علامہ حکیم سیّد برکات احمد سے ریاضی اور معقولات میں استفادہ کیا۔ ۱۳۳۵ھ میں مدرسہ عالیہ رامپور سے درجۂ تکمیل پاس کیا۔ مولانا شاہ سلامت اللہ رام پوری آپ پر بے حد شفقت فرماتے تھے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کا شہرہ سُن کر مرکزِ علم وعرفان بریلی شریف پہنچے اور شمس العلماء مولانا ظہور الحسن فاروقی رام پوری اور صدر الشریعہ مولانا حکیم محمد امجد علی (مصنفِ بہارِ شریعت) سے درسِ نظامی کی آخری کتابیں پڑھ کر صحاح ستہ کا دورہ کیا۔

ارادت وخلافت:

۱۳۳۷ھ کے جلسۂ دستار بندی میں امامِ اہلسنت کے دستِ اقدس پر مرید ہوئے اور پھر خلافت سے نوازے گئے۔

دینی خدمات:

فراغت کے بعد مدرسہ منظر الاسلام بریلی میں مدرّس اور مسجد بی بی جی (بریلی) میں امام وخطیب مقرر ہوئے، حضرت مولانا خواجہ محمود تونسوی کی دعوت پر وہاں سے مدرسہ سلیمانیہ، تونسہ شریف جا کر کچھ عرصہ کام کیا۔ ایک سال مکھڈ شریف رہے، اِس کے بعد خان محمد امیر خاں رئیسِ شہیلیہ ضلع ہزارہ نے آپ کو بلا کر عہدۂ قضا پر مامور کیا لیکن کچھ دن بعد ہی آپ لاہور چلے گئے اور جامعہ نعمانیہ، لاہور میں صدر مدرّس اور مفتی مقرر ہوئے۔

حج کی سعادت:

۱۳۴۵ھ میں بریلی شریف اور اجمیر شریف حاضری دیتے ہوئے حج وزیارت کی سعادت سے مشرف ہوئے۔ شب بیداری یتیموں بیواؤں کی دستگیری اور اپنا کام خود کرنا آپ کے اوصاف تھے۔

تصنیف وتالیف:

دینِ متین کی تبلیغ وترویج کا جذبہ بدرجہ اتم موجود تھا۔ آپ کی تصانیف یہ ہیں:

۱- فتاویٰ غلامیہ

۲- نور العینین فی سفر الحرمین

۳- سیف رحمانی علی رأس القادیانی

۴- دیوانِ غلامیہ

۵- نغمہ شہادت (یہ ہنوز غیر مطبوعہ ہیں)

۶- القول المحتاط فی جواز الحیلۃ والاسقاط

۷- رسالہ اذان علی القبر وتعدد الجمعہ فی المساجد المصر (یہ کتاب طبع ہو چکی ہیں)

سفرِ آخرت:

۲۵ محرم الحرم یکم اگست (۱۳۷۹ھ/۱۹۵۹ء) کو کلمہ شریف اور صلوٰۃ وسلام کا ذکر کرتے ہوئے عین اس وقت جب مؤذن نے اذانِ ظہر کی آواز بلند کی، آپ نے اپنی جان، جاں آفریں کے سپرد کر دی۔ دوسرے دن غازی علم دین شہید رحمہ اللہ تعالیٰ کے مزار کے جنوبی جانب دفن کیے گئے۔ نماز جنازہ حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا ابو البرکات سید احمد مدظلہ نے پڑھائی[1] فاضل نوجوان حضرت مولانا مظفر اقبال سابق مدرّس دارالعلوم جامعہ نعمانیہ، لاہور کے آپ جانشین ہیں، مکرمی الحاج حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ نے ''معارف آگاہ مفتی اعظم'' (۱۹۵۹ء) تاریخ عیسوی اور ''فوت شد مفتی جہاں'' تاریخ ہجری کہی ہے۔ ۱۳۷۹ھ

حوالہ جات

۱ ـــــ محمد امیر شاہ قادری، مولانا، پیر، تذکرہ علماء و مشائخ سرحد، ج ۲، ص ۳۲۸، ۳۴۵

عارف ربّانی حضرت مولانا سیّد فتح علی شاہ قادری قدس سرہٗ

(کھروٹہ سیّداں، سیالکوٹ)

شیخ المشائخ حضرت مولانا سیّد فتح علی شاہ ابن سیّد امیر شاہ ابن قیوم زمان شاہ قدست اسرارہم ۱۱ ربیع الاوّل ۵ مارچ (۱۲۹۶ھ/۱۸۷۹ء) کو کھروٹہ سیّداں ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد اور جدِّ امجد اپنے دور کے مقتدر فضلاء میں شمار کیے جاتے تھے۔

تعلیم وتربیت:

آپ نے پرائمری پاس کرنے کے بعد درسِ نظامی کی ابتدائی کتابیں جدِّ امجد سے پڑھیں پھر حضرت مولانا عبد الرحمٰن کوٹلوی (م-۱۲۹۸ھ) سے فقہ وحدیث کا درس لیا۔ بعد ازاں جامعہ حنفیہ، گجرات میں مولانا محمد عبد اللہ سے اکتسابِ فیض کیا۔ کچھ عرصہ جامع مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی میں رہے، پھر مدرسہ منظرِ اسلام، بریلی شریف میں دورۂ حدیث کیا، اور ۱۹۱۴ء میں سند حدیث حاصل کی۔

ارادت واجازت وخلافت:

۱۹۱۷ء میں جامعہ طبیہ، دہلی سے طب کی سند حاصل کی۔ ۱۹۱۸ء میں دوبارہ بریلی شریف حاضر ہوکر سلسلہ عالیہ قادریہ میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ سے بیعت ہوئے اور ۱۹۲۰ء میں اجازت وخلافت سے مشرف ہوئے۔

تبلیغِ دین کے لئے مساعی:

تکمیلِ علوم کے بعد اپنی زندگی تبلیغِ اسلام کے لئے وقف کر دی، سیالکوٹ اور اُس کے اطراف، جموں و کشمیر اور اُس کے گردونواح میں مسلسل دورے کئے اور عوام وخواص کو اسلامی تعلیمات اور مسلک اہلسنّت سے روشناس کرایا۔ ۱۹۲۶ء سے ۱۹۴۰ء تک سیالکوٹ چھاؤنی کی جامع مسجد میں فرائض خطابت انجام دیتے رہے اور فوجی جوانوں کے دلوں کو حُبِّ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور جذبۂ جہاد سے گرماتے رہے۔

سیاسی خدمات:

۱۹۳۵ء میں مسجد شہید گنج کی تحریک میں امیر ملّت حضرت پیر سیّد جماعت علی شاہ قدس سرہٗ کی قیادت میں شاہی مسجد، لاہور کے تاریخی اجلاس میں شریک ہوئے۔ ۴ / اکتوبر ۱۹۳۹ء کو مراد آباد میں حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا بریلوی قدس سرہٗ کی صدارت میں موتمر العلماء کا اجلاس ہوا، آپ علماء سیالکوٹ کے ساتھ اس عظیم الشان اجلاس میں شریک ہوئے، اپریل ۱۹۴۶ء میں آل انڈیا سُنّی کانفرنس، بنارس کے فقید المثال اجلاس میں شریک ہوئے، قصبہ قصبہ، گاؤں گاؤں، نظریہ پاکستان کی تبلیغ کی اور قیامِ پاکستان کے بعد مہاجرین کی آباد کاری کے لئے زبردست جدوجہد فرمائی، ۱۹۵۳ء میں سیالکوٹ میں تحریکِ ختم نبوت کو بڑی کامیابی سے چلایا، غرض یہ کہ ملک و ملّت کی بہتری کے لئے جو تحریک بھی اُٹھی حضرت شاہ صاحب نے دل و جان سے اس کے لئے کام کیا۔

آثارِ علمیہ:

تصانیف میں:

۱- معیارِ صداقت، ۲- چہل حدیث،

۳- سچا ایمان، ۴- مجموعہ وعظ (تین حصے) اور

۵- مجموعہ اشعار یادگار ہیں۔

سانحۂ ارتحال:

۸؍ رجب، ۱۸؍ جنوری ۷۷ھ۱۳/۱۹۵۸ء کو حضرت مولانا سیّد فتح علی شاہ قدس سرہٗ کا وصال ہوا۔ کھروٹہ سیّداں ضلع سیالکوٹ میں آپ کا مزار ہے، آپ کے صاحبزادے مولانا سیّد احمد حسن قادری، جامع حنفیہ کھروٹہ سیّداں میں فرائض خطابت انجام دے رہے ہیں[1]

حوالہ جات

[1] ـــــ رضاء المصطفیٰ چشتی، روزنامہ مساوات لاہور، ۱۹؍ اکتوبر ۱۹۷۵ء

مولانا صوفی قلندر علی سہروردی

قدس سرہٗ العزیز

مولانا صوفی ابو الفیض قلندر علی قدس سرہٗ کوٹلی لوہاراں، ضلع سیالکوٹ کے گیلانی سادات کے چشم و چراغ تھے، آپ کا سلسلۂ نسب محبوبِ سبحانی حضرت شیخ سیّد عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔

تعلیم و تربیت:

آٹھ سال کی عمر میں والدِ ماجد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا لیکن نامساعد حالات میں بھی آپ نے سلسلۂ تعلیم جاری رکھا، مڈل تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد دینی تعلیم کا شوق پیدا ہوا۔ اِسی اشتیاق کی بناء پر دیو بند پہنچے۔ ایک رات قیام کے بعد اعلیٰ حضرت امامِ اہلسنّت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئے، وہاں تقریباً اڑھائی سال تک قیام کیا، اور علومِ دینیہ کا استفادہ امامِ اہلسنّت سے کیا[1]

بیعت و اجازت و خلافت:

حیات گڑھ ضلع گجرات میں حضرت میاں غلام محمد سہروردی قدس سرہٗ کے دستِ مبارک پر بیعت ہوئے اور سلسلہ عالیہ سہروردیہ میں اجازت و خلافت سے مشرف ہوئے، نیز حضرت شیر ربانی میاں شیر محمد شرقپوری قدس سرہٗ العزیز سے بھی استفادہ کیا۔

تبلیغی خدمات:

آپ ایک عرصہ تک جامع مسجد حضرت شاہ ابو المعالی قادری قدس سرہٗ اور مسجد چودھریاں قلعہ گوجر سنگھ میں خطیب رہے اور دلوں کی دنیا کو سیراب کرتے رہے[2]

آثارِ علمیہ:

آپ نے متعدد کتابیں لکھیں اور اہلِ علم سے خراج تحسین حاصل کیا۔ چند تصانیف کے نام یہ ہیں:

۱-جمال الٰہی۔ ۲-جمالِ رسول۔ ۳-سیاحِ لامکاں
۴-رسالہ علم غیب۔ ۵-تذکرہ سہروردیہ۔ ۶-انوار سہروردیہ
۷-میلاد الرسول۔ ۸-حلیۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔
۹-الفقر فخری۔ ۱۰-پردہ نسواں وغیرہ وغیرہ [۳]

وصالِ پُر ملال:

۲۷ صفر المظفر ۱۰ ستمبر بروز بدھ (۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء) کو آپ کا وصال ہوا۔ نمازِ جنازہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا ابوالبرکات سیّد احمد قادری دامت برکاتہم العالیہ نے پڑھائی، آپ کا مزار ملتان روڈ پر ساتویں میل پر لب سڑک ہنجروال میں واقع ہے جہاں پر آپ کا عرس منعقد ہوتا ہے [۴]

حوالہ جات

۱ —— محمد دین کلیم، مؤرخ لاہور: سہروردی اولیائے لاہور (مکتبہ تاریخ لاہور ۱۹۶۹ء) ص ۳۲۶

۲ —— ایضاً ص ۳۲۷

۳ —— محمد یوسف سہروردی: اجتماع ضدین فی شان قلندر ص ۱۶۰،۱

۴ —— محمد دین کلیم، مؤرخ لاہور، سہروردی اولیائے لاہور، ص ۳۳۳

صدر الشریعہ مولانا شاہ محمد امجد علی اعظمی قدس سرہٗ العزیز

(مصنفِ بہارِ شریعت)

ولادت باسعادت:

صدرِ شریعت، بدرِ طریقت، حضرت مولانا شاہ محمد امجد علی اعظمی ابن حکیم مولانا جمال الدین ابن مولانا خدا بخش ابن مولانا خیر الدین (قدست اسرار ہم) ۱۲۹۶ھ /۹-۱۸۷۸ء میں قصبہ گھوسی محلّہ کریم الدین ضلع اعظم گڑھ میں پیدا ہوئے [1]

تعلیم و تربیت:

آپ کے والد ماجد اور جدِّ امجد علم و فضل اور فنِ طب میں یکتائے روزگار تھے۔ ابتدائی کتب جدِ امجد سے پڑھیں، بعد ازاں اپنے بڑے بھائی مولانا محمد صدیق رحمہ اللہ تعالیٰ (بانی دار العلوم اشرفیہ مبارکپور، تلمیذِ مولانا ہدایت اللہ جونپوری) سے علوم و فنون کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ پھر انہی کے مشورے سے اُستاذ الکل مولانا ہدایت اللہ خاں رامپوری ثم جونپوری رحمہ اللہ تعالیٰ (م-یکم رمضان المبارک ۱۳۲۶ھ / ۱۹۰۸ء) تلمیذ خاتم الحکماء اسیر جزائر انڈیمان مولانا شاہ محمد فضل حق خیر آبادی سے اکتسابِ فیض کے لئے مدرسہ حنفیہ، جونپور میں داخل ہوئے۔ [2]

رات کو خدمت گزاری کے لئے حاضر ہوتے، تو استادِ محترم تمام اسباق کا اعادہ کرا دیتے، اور اگر کوئی فروگزاشت ہو جاتی تو اُس کا ازالہ فرما دیتے۔ یہی وجہ تھی کہ دورِ طالب علمی میں افہام و تفہیم کا ملکہ اتنا راسخ ہو گیا تھا کہ اگر "قطبی" پڑھتے ـــــ تو "شرح تہذیب" دوسرے طلباء کو باآسانی پڑھاتے تھے۔ [3]

علومِ وفنون کی تکمیل کے بعد حجۃ العصر، شیخ المحدثین مولانا شاہ وصی احمد محدّث سورتی قدس سرہٗ (م-۱۳۳۴ھ/ ۱۹۱۶ء) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مدرسۃ الحدیث (پیلی بھیت) میں درسِ حدیث لیا اور ۱۳۲۰ھ/ ۱۹۰۲ء میں سند حاصل کی۔ بعد ازاں ۱۳۲۳ھ میں حکیم عبدالولی جھوائی ٹولہ، لکھنؤ سے فن طب میں ملکہ حاصل کیا۔ ۱۳۲۴ھ سے ۱۳۲۷ھ تک حضرت محدّث سورتی کے مدرسہ میں درس دیا۔ اُس کے بعد ایک سال تک پٹنہ میں مطب کرتے رہے۔[۴]

بارگاہِ رضا میں حاضری:

اِس اثناء میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کو مدرسہ منظرِ اسلام، بریلی میں مدرّس کی ضرورت پیش آئی۔ حضرت مولانا وصی احمد محدّثِ سورتی رحمہ اللہ تعالیٰ نے مولانا محمد امجد علی اعظمی کا نام پیش کیا، جسے اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہٗ نے بہت پسند فرمایا، چنانچہ آپ استادِ محترم محدثِ سورتی رحمہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق پٹنہ کا مطب چھوڑ کر بریلی شریف آگئے۔ ابتداءً تدریس کا کام شروع کیا، بعد ازاں مطبع اہلسنّت کا انتظام بھی آپ کے سپرد کر دیا گیا۔ فتویٰ نویسی کا کام اِس کے علاوہ تھا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کی عشقِ رسالت اور اتباعِ شریعت سے معمور زندگی سے اس قدر متاثر ہوئے کہ سلسلہ عالیہ قادریہ میں داخل ہوئے اور بہت جلد خلافت سے نوازے گئے۔ اگرچہ آپ نے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ سے کوئی کتاب سبقاً نہیں پڑھی تھی، لیکن فرماتے تھے کہ: ''جو کچھ ہے، سب آپ ہی کا فیضِ کرم ہے۔'' قریباً اٹھارہ برس شیخِ کامل کے فیوض و برکات سے مستفید ہوئے۔ مُرشدِ شریعت وطریقت کی نگاہِ کیمیا اثر نے آپ کو جامع فضل وکمال بنا دیا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ العزیز بھی آپ پر بے حد شفقت فرماتے تھے اور فتاویٰ کے سلسلے میں آپ پر حد درجہ اعتماد فرماتے تھے۔ ایک موقع پر ارشاد فرمایا:

> ''آپ کے یہاں موجوذین میں تفقہ جس کا نام ہے وہ مولوی امجد علی صاحب میں زیادہ پایئے گا۔ اِس کی وجہ یہی ہے کہ وہ استفتاء سنایا کرتے

ہیں، اور جو میں جواب دیتا ہوں لکھتے ہیں۔ طبیعت اخّاذ ہے، طرز سے واقفیت ہو چلی ہے۔''[۵۵]

سیّدی اعلیٰ حضرت اپنے تلامذہ اور خلفاء کے درمیان آپ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

میرا امجد، مجد کا پکا اِس سے بہت کچھ پاتے یہ ہیں[۵۶]

بریلی شریف میں دینی مشاغل کی کثرت:

حضرت صدر الشریعہ نے بریلی شریف کے قیام کے دوران شب و روز دینی خدمت کے لئے وقف کر دیئے۔ صبح سویرے تدریس، دوپہر کو پریس کی نگرانی، پروف ریڈنگ، پریس مینوں کو ہدایات، اور پارسلوں کی ترسیل، دوپہر کے بعد عصر تک پھر تدریس، عصر کے بعد اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے پاس آئے ہوئے سوالات کے جواب لکھتے۔ مغرب کے بعد کھانا تناول فرما کر مطالعہ فرماتے۔ عشاء کے بعد بارہ ایک بجے تک پریس وغیرہ کا کام کرتے۔ اِن دنوں بد مذہبوں کے رَد میں روزانہ نئے رسائل اور اشتہار شائع ہو رہے تھے۔ فیض رضا نے احباب اور معاونین میں وہ سپرٹ پیدا کر دی تھی کہ انہیں کثرتِ کار کا بالکل بوجھ محسوس نہیں ہوتا تھا۔ معاصرین اور خاص طور پر مولانا امجد رضا خاں رحمہ اللہ تعالیٰ (مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں قدس سرہٗ کے ماموں، جنہیں بریلی کے اکثر لوگ ماموں جان ہی کہتے ہیں) کا بیان ہے:

''مولانا امجد علی صاحب تو کام کی مشین ہیں۔''[۵۷]

یہ سلسلہ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے وصالِ مبارک کے بعد ۱۹۲۴ء تک جاری رہا، جب آپ کو بحیثیتِ صدر مدرّس دار العلوم معینیہ عثمانیہ، اجمیر شریف جانا پڑا۔

ناقابلِ فراموش کارنامہ:

اعلیٰ حضرت مجدِدِ دین و ملّت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ کا ترجمہ قرآنِ مجید مسمّٰی بہ اسم تاریخی ''کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن'' (۱۳۳۰ھ/ ۱۹۱۱ء)

افادیت، اہمیت اور دیگر تراجم پر فوقیت کے اعتبار سے محتاجِ بیان نہیں۔ صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی قدس سرہٗ کی مساعیٔ جمیلہ سے معرضِ وجود میں آیا۔ امام احمد رضا بریلوی کو خود قرآنِ پاک کے ترجمہ کی ضرورت کا احساس تھا، لیکن تصنیف و تالیف اور دیگر علمی مصروفیات کے بے پناہ ہجوم کی وجہ سے اِس کام میں تاخیر ہوتی رہی۔ آخر ایک دن صدر الشریعہ، قلم، دوات اور کاغذ لے کر حاضر ہوگئے اور ترجمہ شروع کرنے کی درخواست کی۔ اعلیٰ حضرت نے اُسی وقت ترجمہ شروع کر دیا۔ پہلے پہل ایک آیت کا ترجمہ ہوتا، پھر محسوس کر کے کہ اِس طرح تکمیل میں بہت دیر لگ جائے گی، ایک ایک رکوع کا ترجمہ ہونے لگا، اِس کے ساتھ ساتھ حضرت صدر الشریعہ اور دیگر علماء مستند تفاسیر کے ساتھ ترجمہ کی مطابقت تلاش کرتے۔ انہیں یہ دیکھ کر حیرت ہوتی کہ اعلیٰ حضرت جو ترجمہ تیاری اور مطالعہ کے بغیر لکھاتے ہیں اکثر تفاسیر کے مطابق ہوتا ہے، اِس سلسلے میں حضرت صدر الشریعہ بعض اوقات رات کے دو دو بجے تک مصروف رہتے۔[۸]

تدریس:

حضرت صدر الشریعہ نے ابتدائے جوانی سے تدریس کا کام شروع کیا، اور آخر عمر تک جاری رکھا اور حق یہ ہے کہ انہوں نے تدریس کا حق ادا کیا، اور نابغۂ روزگار علماء و فضلاء کی ایک عظیم جماعت تیار کی، جن کا علمی فیض آج بھی پاک و ہند کے گوشے گوشے میں جاری و ساری ہے، بلکہ دیگر ممالک تک پہنچ چکا ہے۔ اِس دعوے کی صداقت معلوم کرنے کے لئے آپ کے تلامذہ کی فہرست پر ایک نگاہ ڈال لینا کافی ہوگا۔ دیگر مدرّسین سے پہلے صبح سویرے اسباق شروع کراتے اور بارہ بجے تک پڑھاتے۔ ظہر سے عصر تک پھر یہی سلسلہ جاری رہتا۔ اجمیر شریف کے قیام کے دنوں جب اطباء کے مشورے کی بناء پر عصر کے بعد دولت باغ میں تفریح کے لئے تشریف لے جاتے تو محدثِ اعظم پاکستان مولانا محمد سردار احمد قدس سرہٗ کوئی کتاب لئے ساتھ ہوتے اور دورانِ تفریح سبق جاری رہتا۔[۹]

آپ نے طویل عرصہ تک مدرسہ منظرِ اسلام، بریلی شریف میں تدریس کے فرائض انجام دیئے۔ ۱۳۴۳ھ / ۱۹۲۴ء میں حضرت مولانا سیّد سلیمان اشرف صدر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، دارالعلوم معینیہ عثمانیہ (اجمیر شریف) کی صدارت کے لئے میر نثار احمد مرحوم متولی و مہتمم کا دعوت نامہ لے کر پہنچے، لیکن آپ نے یہ کہہ کر معذرت کر دی کہ میں شیخ کا آستانہ اور مدرسہ چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔ انہوں نے حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ کی طرف رجوع کیا۔ ان کی طرف سے اجازت ملنے پر آپ اجمیر شریف چلے گئے اور پوری جانفشانی اور محنت سے کام کیا۔ یہیں آپ نے وہ یگانۂ روزگار افاضل تیار کیے، جن میں سے ہر ایک آسمانِ علم و فضل پر نیّر تاباں بن کر چمکا۔ ۱۳۵۱ھ / ۱۹۳۲ء میں میر نثار احمد مرحوم متولی سے بعض امور میں اختلاف کی وجہ سے علماء کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ بریلی شریف چلے گئے ۲؎۔ اور سال تک منظرِ اسلام، بریلی شریف میں درس دیا۔ ۳؎

بعد ازاں نواب حاجی غلام محمد خان شروانی رئیس ریاست دادوں (علی گڑھ) متوفی ۱۴ ربیع الاول (۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء) کی دعوت پر بہ حیثیت صدر مدرّس دارالعلوم حافظیہ سعیدیہ (قائم کردہ نواب ابو بکر رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ۱۴ رمضان المبارک ۱۳۵۴ھ / ۱۹۳۵ء) میں تشریف لے گئے اور سات سال تک بکمالِ حُسن و خوبی تدریس کے فرائض انجام دیئے۔ مولانا حبیب الرحمٰن شروانی نے ۱۳۵۶ھ / ۱۹۳۷ء میں مدرسہ کے سالانہ جلسۂ امتحان کے موقعہ پر تقریر کرتے ہوئے آپ کے فضل و کمال کا اعتراف ان الفاظ میں کیا:

''مولانا امجد علی پورے ملک میں اُن چار پانچ مدرّسین میں سے ایک ہیں، جنہیں میں منتخب جانتا ہوں۔'' ۴؎

جس زمانے میں آپ دارالعلوم حافظیہ سعیدیہ میں صدر مدرّس تھے تو مولانا عبدالشاہد خان شروانی بھی اِسی مدرسہ میں مدرّس تھے۔ انہوں نے اپنے تأثرات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

"مولانا محمد امجد علی اعظمی سات سال سے صدر مدرّس تھے۔ بریلی، اجمیر اور دوسرے مدرسوں کے صدر مدرّس رہ چکے تھے۔ کہنہ مشقی کی بناء پر درسیات میں پوری مہارت رکھتے ہیں۔ مولانا ہدایت اللہ خان جونپوری مرحوم تلمیذ حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی کے شاگرد اور مولانا سیّد سلیمان اشرف بہاری مرحوم سابق صدر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے ہم درس اور استاد برادر ہیں۔"[۱۳]

۱۳۶۳ھ / ۱۹۴۳ء تک دادوں میں قیام رہا۔ اِس کے بعد ایک سال بنارس میں رہے۔ بعد ازاں ۱۳۶۴ھ / ۱۹۴۵ء) تک منظرِ اسلام، بریلی میں درس دیا۔

اجمیر شریف قیام کے دوران شروع میں زیادہ تر تفسیر و حدیث کے اسباق پڑھاتے تھے۔ پھر جب وہاں کے بعض مدرّسین نے یہ پروپیگنڈا کیا: "دینیات میں تو اُن کی بالغ نظری مسلّم ہے، لیکن منطق و فلسفہ میں ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتے" تو آپ منطق و فلسفہ کی منتہی کتب بھی پڑھانے لگے۔[۱۴]

آپ کے پڑھانے کا طریقہ یہ تھا کہ طالب علم سے عبارت پڑھوانے کے بعد ترجمہ بھی اُسی سے کرواتے۔ عبارت میں صرفی و نحوی قواعد کا پوری طرح خیال رکھتے، اور ترجمہ میں اردو زبان کی صحت، اصل کے ساتھ مطابقت اور معنی خیزی کا پورا اہتمام کرتے۔ اِسی وجہ سے طلبہ کو تیاری کے لئے اچھی خاصی محنت کرنی پڑتی۔ بعد ازاں مقصدِ کتاب کی بڑی آسان تقریر فرماتے۔ آخری کتابوں میں قیل و قال بھی فرماتے اور بعض اوقات محاکمہ بھی فرماتے۔ ابتدائی کتابوں میں طلبہ کی استعداد کے مطابق مختصر گفتگو فرماتے۔ یہ اندازِ تدریس بہترین صلاحیت پیدا کرنے کے لئے طلبہ میں جذبہ و لگن دوچند کر دیتا۔ جمعہ کے دن تقریر اور مناظرہ کی مجلس منعقد ہوتی۔ مقررین کی اصلاح اور نقد و تبصرہ بھی فرمایا جاتا۔ اِس طرح طلبہ کی پوشیدہ صلاحیتیں نمایاں ہوتیں اور یہ مشقیں آئندہ کے لئے راہنما ثابت ہوتیں۔[۱۵]

تبلیغ وتقریر:

اجمیر شریف کے قرب وجوار میں راجپوت قوم، راجہ پرتھوی راج کی اولاد آباد تھی۔ جو مسلمان ہو چکی تھی، لیکن اُن میں فرائض وواجبات سے غفلت اور مشرکانہ رسوم بکثرت پائی جاتی تھیں۔ بارگاہِ چشتیہ کے گھرانے میں اُن کی اکثر شادیاں ہوتی رہتی تھیں۔ حضرت صدر الشریعہ کے ایماء پر آپ کے تلامذہ نے اُن لوگوں میں تبلیغ کا پروگرام بنایا۔ تبلیغی جلسوں کا خوشگوار اثر ہوا اور ان لوگوں میں مشرکانہ رسوم سے اجتناب اور دینی اقدار کے اپنانے کا جذبہ پیدا ہوا[۱۶]۔

پروفیسر محمد ایوب قادری لکھتے ہیں:

"اجمیر کے زمانہ قیام میں مولانا محمد امجد علی نے خوب تبلیغ کی اور اُس کے بہت مفید نتائج برآمد ہوئے"[۱۷]۔

اس کے علاوہ اردگرد کے بڑے شہروں اور قصبات مثلاً نصیر آباد، بیاور، لاڈنول، جے پور، جودھپور، پالی مارواڑ اور چتوڑ وغیرہ میں بھی خود آپ اور آپ کے تلامذہ تبلیغی سرگرمیاں جاری رکھتے، اور مذہبِ اہلسنّت کی اشاعت اور وہابیہ، قادیانیہ کا ردّ کیا کرتے تھے۔[۱۸]

آپ کی تقریر خالص علمی مضامین اور قرآن وحدیث کی تفسیر وتفصیل پر مشتمل ہوا کرتی تھی۔ مسلکِ اہلسنّت کو اِس طرح بیان فرماتے کہ مخالفین کو بھی تسلیم کیے بغیر چارہ نہ رہتا۔ سوناتھ، بھنجن، وہابیہ، دیوبندیہ کا خاص گڑھ تھا، وہاں کے لوگ آپ کے مواعظ کو بڑے ذوق وشوق سے سُنتے اور بہت متاثر ہوتے تھے۔ آپ اصلاحِ عقائد کے ساتھ ساتھ اصلاحِ اعمال واخلاق پر بھی خاص طور پر توجہ دیا کرتے تھے۔[۱۹]

سیاست:

حضرت صدر الشریعہ اُصولی طور پر دینی راہنما اور مذہبی قائد تھے، لیکن ضرورت پڑنے پر سیاسی طور پر ملّتِ اسلامیہ کی صحیح راہنمائی فرمائی۔ چونکہ آپ کے مُرشدِ طریقت

امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ العزیز دو قومی نظریہ (مسلمان اور ہندو، دو مختلف قومیں ہیں) کے عظیم ترین مبلّغ اور داعی تھے، اِسی نظریہ کی بناء پر پاکستان معرضِ وجود میں آیا۔ اُن کی موافقت میں آپ نے بھی اِس نظریہ کی تبلیغ پورے شدومد سے کی۔

۱۴/ رجب المرجب، ۲۴/ مارچ (۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۱ء) کو بریلی میں جمعیۃ علمائے ہند کا اجلاس منعقد ہوا جس میں ابوالکلام آزاد کے علاوہ دوسرے لیڈر بھی شریک ہوئے۔ جمعیت کے لیڈر اِس جوش وخروش سے آئے تھے کہ گویا ''ہندومسلم اتحاد'' کے مخالف علماء اہلسنّت کو لاجواب کر دیں گے۔ مولانا محمد امجد علی نے جماعت رضائے مصطفیٰ (بریلی) کے شعبہ علمیہ کے صدر کی حیثیت سے اراکین جمعیت کے ہندوؤں سے اتحاد وداد کے بارے میں ستر سوالات پر مشتمل سوالنامہ[۱] مرتب کر کے قائدینِ جمعیت کو بھجوایا، بار بار اصرار اور مطالبہ کے باوجود انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔

صدر الافاضل مولانا سیّد محمد نعیم الدین مراد آبادی نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی (قدس سرہما) کے نام ایک مکتوب میں اِس سوالنامہ کے بارے میں اِس طرح اظہارِ خیال فرمایا ہے:

> ''سیدی، دامت برکاتہم! سلامِ نیاز کے بعد گزارش، حضور سے رُخصت ہو کر مکان پہنچا، یہاں آکر میں نے ''اِتمامِ حجت تامہ'' کا مطالعہ کیا، فی الواقع یہ سوالات فیصلہٗ ناطقہ ہیں اور یقیناً اِن سوالات نے مخالف کو مجالِ گفتگو اور راہ جواب باقی نہیں چھوڑی ہے۔''[۱]

ابوالکلام آزاد نے روانگی کے وقت بریلی کے اسٹیشن پر کہا:

> ''اُن کے جس قدر اعتراضات ہیں، حقیقت میں سب درست ہیں۔ ایسی غلطیاں کیوں کی جاتی ہیں جن کا جواب نہ ہو سکے؟ اور اُن کو اِس طرح گرفت کا موقع ملے۔''[۲]

۱۹/ اور ۲۰/ شعبان المعظم ۳/ اور ۴/ اکتوبر (۱۳۵۸ھ/ ۱۹۳۹ء) کو مراد آباد میں حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا بریلوی کی صدارت میں اجلاس منعقد ہوا اور ایک جماعت مؤتمر

العلماء قائم کی گئی جس کے ناظمِ اعلیٰ بالاتفاق صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی منتخب کیے گئے۔ اِس جماعت کے مقاصد:

○ ــــ نت نئے پیدا ہونے والے خطرات سے مسلمانوں کا تحفظ۔

○ ــــ اسلام کے نام پر قائم ہونے والی سیاسی جماعتوں کے مفاسد کی اصلاح۔

○ ــــ اہلسنّت و جماعت میں روابطِ اتحاد کو مستحکم کرنا۔

○ ــــ دشمنانِ اسلام کے حملوں کا دفاع۔

○ ــــ مسلمانوں کو دینی امور میں علماء کی طرف رجوع کی رغبت دلانا اور

اقتصادیات تجارت اور

○ ــــ اولاد کی تعلیم وتربیت وغیرہ امور میں مسلمانوں کی راہنمائی وغیرہ امور تھے۔

اس جماعت میں حضرت صدر الشریعہ نمایاں طور پر شریک ہوئے [۲۳]۔

یہی جماعت بعد میں ''آل انڈیا سُنی کانفرنس'' کے نام سے متعارف ہوئی۔ سُنی کانفرنس کے اپریل ۱۹۴۶ء میں بنارس میں منعقد ہونے والے بے مثل اجلاس (جس مین صرف علماء ومشائخ کی تعداد دو ہزار تھی) کو بنیادِ پاکستان کی خشتِ اوّل کی حیثیت حاصل ہے۔ اِس اجلاس میں اسلامی حکومت کے لئے لائحۂ عمل مرتب کرنے کے لئے جلیل القدر علماء کی ایک کمیٹی بنائی گئی تھی، جس کے ممتاز اراکین میں حضرت صدر الشریعہ کا نام بھی تھا۔ [۲۴]

تصنیف وتالیف:

حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کو اللہ تعالیٰ نے جملہ علوم وفنون میں مہارتِ تامہ عطا فرمائی تھی، لیکن انہیں تفسیر، حدیث، اور فقہ سے خصوصی لگاؤ تھا۔ فقہی جزئیات ہمیشہ نوکِ زبان رہتی تھیں۔ اسی بناء پر دورِ حاضر کے مجدد امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ نے آپ کو ''صدر الشریعہ'' کا لقب عطا فرمایا تھا [۲۵]۔

آپ کی تصانیف کی تعداد اگرچہ زیادہ نہیں، لیکن یہ بات بلاخوفِ تردید کہی جا سکتی ہے کہ آپ کی یادگار تصانیف درجنوں کتابوں پر فائق ہیں۔

دادوں (ضلع علی گڑھ) میں قیام کے دوران آپ نے امام ابو جعفر طحاوی حنفی قدس سرہٗ (م- ۳۲۱ھ/ ۹۳۳ء) کی حدیث کی مشہور کتاب ''شرح معانی الآثار'' پر حاشیہ لکھنا شروع کیا۔ اور سات ماہ کی مختصر مدت میں پہلی جلد کے نصف پر مبسوط حاشیہ تحریر فرما دیا۔ حضرت صدر الشریعہ نے اِس کی تفصیل خود اِن الفاظ میں فرمائی ہے:

''محرم (۱۳۶۲ھ/ ۱۹۴۳ء) میں فقیر نے چند طلبہ کے اصرار پر ''شرح معانی الآثار'' معروف بہ ''طحاوی شریف'' کا تحشیہ شروع کیا تھا کہ یہ کتاب نہایت معرکۃ الآراء، حدیث وفقہ کی جامع حواشی سے خالی تھی۔ اس تحشیہ کا کام سنہ مذکورہ میں تقریباً سات ماہ تک کیا، مگر مولوی عطاء المصطفیٰ کی علالتِ شدیدہ، پھر اُن کے انتقال نے اِس کام کا سلسلہ بند کرنے پر مجبور کیا۔ جلد اوّل کا نصف بفضلہٖ تعالیٰ محشّٰی ہو چکا ہے، جس کے صفحات کی تعداد باریک قلم سے ۴۵۰ ہے، اور ہر صفحہ ۳۵ یا ۳۶ سطر پر مشتمل ہے۔''[۲۶]

اس سے آپ کی زود نویسی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آپ روزانہ پینتیس سطر کے تقریباً اڑھائی صفحات لکھتے تھے، جبکہ اُصولِ کتب کی طرف رجوع کرنا پڑتا اور ضمناً تحقیقاتِ بدیعہ آجاتی تھیں۔ افسوس کہ یہ حاشیہ محفوظ نہ رہ سکا۔

آپ کی دوسری تصنیف ''فتاویٰ امجدیہ'' ہے، جس میں متحدہ ہندو پاک کے اطراف و اکناف سے آنے والے سوالات کے جوابات ہیں۔ اگر یہ فتاویٰ شائع ہو جاتا، تو کتب دینیہ میں گرانقدر اضافہ ہو جاتا، ایک زمانہ میں حیوانات کی تصاویر پر مشتمل قاعدے جاری ہوئے، تو آپ نے دینی مدارس کے طلبہ کے لئے اسلامی قاعدہ مرتب فرمایا، جس میں تصویریں تھیں، لیکن بے جان اشیاء کی، اس کی ترتیب ایسی آسان رکھی کہ طالب علم میں اردو پڑھنے کی لیاقت بہت جلد پیدا ہو جاتی۔ آپ کی تحریر کی یہ خوبی ہے کہ مشکل سے مشکل مسئلے کو نہایت آسان لفظوں میں بیان فرما دیتے ہیں۔ آپ کے خطوط میں یہ نمایاں خصوصیت تھی کہ صرف ضروری امور پر مشتمل ہوتا۔ تاریخ اور مقام روانگی کا خاص طور پر اہتمام فرماتے اور اگر کوئی شخص خط کا جواب نہ دیتا تو بہت ناراضگی

کا اظہار کرتے اور فرماتے:

"اگر تم کسی سے بات کرو اور وہ تمہیں جواب نہ دے، تو یہ بات تم کو کتنی ناگوار ہوگی۔ اِسی طرح اگر کسی کے خط کا جواب نہ دیا جائے تو اس کا بھی یہی اثر ہوتا ہے۔"[۲۷]

اس سے ہمارے اُن احباب کو سبق لینا چاہئے جو خطوط کے جواب کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھتے۔

بہارِ شریعت:

صدر الشریعہ کی شہرہ آفاق تصنیف "بہارِ شریعت" ہے، یہ کتاب حنفی فقہ کا دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا) ہے، اِس کے سترہ حصے طبع ہو کر قبولیت عامہ کی سند حاصل کر چکے ہیں۔ اِس کتاب نے نہ صرف عوام، بلکہ علماء کے لئے بھی سہولت پیدا کر دی ہے۔ مولانا مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے فتاویٰ میں دیگر مآخذ کے ساتھ "بہارِ شریعت" کا حوالہ بھی دیا کرتے تھے، اس سے ایک تو ماخذ کی نشاندہی ہو جاتی، دوسرا اُس کے مستند ہونے کا اظہار بھی ہو جاتا۔ اِس کی ابتداء غالباً ۱۳۳۴ھ / ۱۹۱۶ء میں ہوئی اور ۱۳۶۲ھ / ۱۹۴۳ء میں تکمیل ہوئی۔[۲۸] باوجودیکہ صدر الشریعہ کا اشہب قلم سریع السیر تھا، لیکن کثرتِ کار کی وجہ سے اتنی تاخیر ہوئی، چنانچہ فرماتے ہیں:

"اِس کتاب کی تصنیف میں عموماً یہی ہوا کہ ماہِ رمضان المبارک کی، تعطیل میں جو کچھ دوسرے کاموں سے وقت بچتا، اُس میں کچھ لکھ لیا جاتا۔"[۲۹]

حضرت صدر الشریعہ چاہتے تھے کہ اس کتاب کے مزید تین حصے لکھ کر اسے مکمل کر دیتے۔ اِس عزم کا اظہار یوں فرماتے ہیں:

"ابھی اس کا آخری تھوڑا سا حصہ باقی رہ گیا ہے جو زیادہ سے زیادہ تین حصوں پر مشتمل ہوتا۔ اگر توفیقِ الٰہی سعادت کرتی اور یہ بقیہ مضامین بھی تحریر میں آجاتے، تو فقہ کے جمیع ابواب پر، یہ کتاب مشتمل ہوتی، اور کتاب مکمل ہو جاتی۔"[۳۰]

لیکن ہجومِ حوادث تکمیل کی راہ میں حائل ہوا، اور آپ کی یہ مبارک آرزو پوری نہ ہوسکی ذرا آپ بھی درد والم کی داستان سنیئے جس کا تصور ہی دلِ حساس کو لرزا دیتا ہے فرماتے ہیں:

''۷/ شعبان المعظم (۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء) کو میری ایک جوان لڑکی کا انتقال ہوا اور ۲۵/ ربیع الاوّل (۱۳۵۹ھ/۱۹۴۰ء) کو میرا منجھلا لڑکا مولوی یحییٰ کا انتقال ہوا۔ شب دہم، رمضان المبارک (۱۳۵۹ھ/۱۹۴۰ء) کو بڑے لڑکے مولوی حکیم شمس الہدیٰ نے رحلت کی۔''

۲۰ رمضان المبارک ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء کو میرا چوتھا لڑکا عطاء المصطفیٰ کا دادوں (ضلع علی گڑھ) میں انتقال ہوا، اور اِسی دوران میں مولوی شمس الہدیٰ مرحوم کی تین جوان لڑکیوں کا اور ان کی اہلیہ کا، اور مولوی محمد یحییٰ مرحوم کے ایک لڑکے کا، اور مولوی عطاء المصطفیٰ مرحوم کی اہلیہ اور بچی کا انتقال ہوا۔''[۲۱]

چار سال میں گیارہ عزیزوں کی جدائی نے دل و ماغ میں اِس قدر گہرا اثر ڈالا کہ بینائی زائل ہوگئی، اور نہ صرف ''بہارِ شریعت'' کی تالیف کا کام رُک گیا بلکہ ''بہارِ شریعت'' کے انداز پر مسائل تصوف پر مشتمل کتاب (جو ابھی زیرِ تجویز تھی) کا آغاز بھی نہ ہوسکا۔ حضرت صدر الشریعہ فرماتے ہیں:

''اپنا ارادہ تو یہ تھا کہ اِس کتاب (بہارِ شریعت) کی تکمیل کے بعد اسی نہج پر ایک دوسری اور کتاب بھی لکھی جائے گی جو تصوف اور سلوک کے مسائل پر مشتمل ہوگی، جس کا اظہار اس سے پیشتر نہیں کیا گیا تھا، ہوتا وہی ہے جو خدا چاہتا ہے۔''[۲۲]

''بہارِ شریعت'' کا دوسرا حصہ پہلے لکھا گیا۔ بعد ازاں عقائدِ ضروریہ پر مشتمل پہلا حصہ لکھا گیا۔ اِس کے ابتدائی چھ حصے اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا بریلوی نے حرف بحرف سُنے، جابجا اصلاح فرمائی، اور اِن حصوں کو تقریظ سے مزّین فرمایا۔ تقریظ کے

درج ذیل الفاظ لائقِ تحسین ومطالعہ ہیں:

""فقیر غفرلہٗ المولیٰ القدیر نے مسائل طہارت میں یہ مبارک رسالہ ""بہارِ شریعت"" تصنیف لطیف اخی فی اللہ، ذی المجد والجاہ، والطبع السلیم والفکر القویم، والفضل والعلیٰ، مولانا ابوالعلیٰ مولوی حکیم محمد امجد علی قادری برکاتی اعظمی بالمذہب والمشرب والسکنیٰ رزقہ اللہ تعالیٰ فی الدارین الحسنیٰ مطالعہ کیا۔[۳۳]

الحمدللہ! مسائلِ صحیحہ رجیحہ، محققہ منقحہ پر مشتمل پایا۔ آج کل ایسی کتاب کی ضرورت تھی کہ عوام بھائی، سلیس اردو میں صحیح مسئلے پائیں اور گمراہی واغلاط کے مصنوع ملمع زیوروں کی طرف آنکھ نہ اٹھائیں۔[۳۴]

کتبِ فقہ میں ""بہارِ شریعت"" کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ ہر باب کی ابتداء میں پہلے آیات مبارکہ سے مسائل کو بیان کیا گیا ہے اُس کے بعد آیاتِ کریمہ سے اِن مسائل کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ بعدازاں فقہ حنفی کی معتبر کتابوں سے مسائل جزئیہ باحوالہ نقل کیے گئے ہیں، اِسی لئے حضرت مولانا مفتی محمد اعجاز الرضوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

""حنفی فقہ میں ""بہارِ شریعت"" کے سترہ حصص اُردو میں تصنیف فرما کر ملّتِ مسلمہ پر وہ احسان فرمایا ہے، جس کا جواب نہیں۔""[۳۵]

تلامذہ:

حضرت صدر الشریعہ کے حلقہ تدریس میں ہندوستانی، پاکستانی، بنگالی، بلخی، بخاری، سمرقندی، افغانی، ترکی، افریقی اور ایرانی طلباء شریک ہوئے اور کامران و کامیاب ہو کر لوٹے۔ ایک بخاری صاحب قسطنطنیہ سے ""شرح مطالع"" خرید کر لائے لیکن انہیں یہ کتاب پڑھانے والا کوئی مدرّس نہ ملا۔ پھر طرفہ یہ کہ وہ اردو بھی نہیں سمجھتے تھے۔ حضرت صدر الشریعہ انہیں اوقاتِ درس کے بعد منطق کی اِس منتہی کتاب کا درس فارسی میں دیا کرتے تھے۔[۳۶]

آپ کے تلامذہ کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ چند مشاہیر کے نام یہ ہیں:

حضرت محدثِ اعظم پاکستان مولانا محمد سردار احمد لائل پوری، مناظرِ اعظم مولانا حشمت علی خاں لکھنوی، مولانا محمد الیاس سیالکوٹی، مولانا محراب دین پشاوری ثم مکی، مولانا محمد یحییٰ (فرزند ارجمند) مولانا عطاء المصطفیٰ (فرزند ارجمند) مولانا غلام محی الدین بلیاوی، مولانا حکیم شمس الہدیٰ (فرزندِ اکبر) مولانا قاری عبدالجلیل الہ آبادی، مولانا اعجاز ولی خاں، مولانا غلام یزدانی، سابق صدر مدرّس جامعہ رضویہ مظہر اسلام بریلی (رحمہم اللہ تعالیٰ) مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی (مؤلف ''بشیر الکامل شرح مأتہ عامل'' و ''بشیر القاری شرح بخاری'') مولانا عبدالعزیز (صدر مدرّس مدرسہ اشرفیہ مبارکپور)، مجاہدِ اعظم مولانا حبیب الرحمٰن (صدر آل انڈیا تبلیغ سیرت)، مولانا رفاقت حسین بہاری، مفتی اعظم کانپور، مولانا شمس الدین جونپوری، مولانا وقارالدین (دارالعلوم امجدیہ کراچی)، مولانا محمد محسن اور ان کے برادر مولانا ولی النبی، بیکی تورڈیر شریف (مردان) مولانا تقدس علی خاں رحمہ اللہ تعالیٰ (سابق شیخ الجامعہ جامعہ راشدیہ پیر جو گوٹھ (سندھ)

مولانا قاضی شمس الدین، مولانا سلیمان بھاگلپوری، مولانا مختار الحق (خطیب اعظم دارالسلام ٹوبہ، ضلع لائل پور) مولانا حامد فقیہ، مولانا عبدالعزیز ڈیرہ اسمٰعیلی، مولانا عبدالحلیم بخاری، مولانا سیّد ظہیر احمد علی گڑھی، مولانا محمد مبین امروہوی، مولانا فیض الحسن پھپھوندوی، مولانا محمد سلیمان سلہٹی، مولانا محمد علی اجمیری ازہری، مولانا قاری محبوب رضا خاں وغیرہم۔

''بہار شریعت'' ضخیم ہونے کے ساتھ گراں قیمت بھی ہے۔ اِس لئے مولانا محمد اوّل شاہ مدظلہ نے راقم کو اِس کی تلخیص کا مشورہ دیا۔ تلخیص میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ روزمرّہ پیش آنے والے ضروری مسائل باقی رکھے جائیں اور عربی عبارات کا ترجمہ بھی کر دیا جائے۔ بعض مقامات میں مشکل الفاظ کو آسان لفظوں میں بدل دیا گیا ہے۔

مولائے کریم اِس کتاب کو زیادہ سے زیادہ فائدہ مند بنائے۔

غرض یہ کہ پاک و ہند کے اکثر مدارس میں آپ کے بلاواسطہ اور بالواسطہ تلامذہ کا فیض جاری ہے۔ آپ نے نصف صدی کے قریب سلسلۂ درس جاری رکھا۔ ظاہر ہے کہ آپ کے تمام تلامذہ کا احاطہ نہایت دشوار ہوگا۔

اولادِ امجاد:

اللہ تعالیٰ نے صدر الشریعہ رحمہ اللہ تعالیٰ کو سعادتمند اولاد سے نوازا تھا۔ آپ نے لڑکیوں سمیت اپنی تمام اولاد کو علومِ دینیہ سے بہرہ ور فرمایا۔ تین صاحبزادے (جن کا ذکر اوپر آ چکا ہے) آپ کی حیات میں ہی داغِ مفارقت دے گئے تھے۔ اس وقت آپ کے چار صاحبزادے صاحبِ علم و فضل موجود ہیں۔ جن کے نام یہ ہیں:

۱- مولانا علامہ عبد المصطفیٰ ازہری، شیخ الحدیث جامعہ امجدیہ کراچی۔

۲- مولانا حافظ رضاء المصطفیٰ، خطیب جامع مسجد میمن کراچی۔

۳- مولانا ثناء المصطفیٰ اور

۴- مولانا ضیاء المصطفیٰ[۴۸]

اوّل الذکر علامہ ازہری مدظلہ العالی جمعیت علمائے پاکستان کے ممتاز رہنما اور قومی اسمبلی کے ممبر ہیں۔ حق و صداقت کی آواز پوری بے باکی سے بلند کر رہے ہیں اور نظامِ مصطفیٰ کے نفاذ اور مقام مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے تحفظ کے لئے سرگرم عمل ہیں۔[۴۹]

سفرِ مدینہ اور سفرِ آخرت:

حضرت صدر الشریعہ، بریلی شریف کے قیام کے دوران ۱۳۴۷ھ/۱۸۲۲ء) میں پہلی مرتبہ حج و زیارت کی سعادت سے مشرف ہوئے۔[۵۰] واپسی پر حرمین شریفین کی دوبارہ حاضری کا اشتیاق ہر وقت بے چین کئے رکھتا۔ آخر ۲۰ر شوال المکرم/ ۲۶ر اگست (۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء) کو وہ دن آ گیا جس سے دوسرے دن اس مبارک سفر پر روانگی تھی۔ اس وقت شوقِ زیارت میں بے پناہ اضافہ ہو گیا۔ رُخصت کے وقت عقیدت مندوں کا جم غفیر الوداع کہنے کے لئے اسٹیشن پر پہنچا۔ آپ نے الوداعی خطاب فرمایا تو

ہر شخص کی آنکھوں سے سیلِ اشک رواں ہو گیا۔ آخر میں آپ نے فرمایا:

''حقوق العباد میں مجھ سے کوئی فروگزاشت ہو گئی ہو تو آپ لوگ مجھے معاف کر دیں۔ فقیر کے حقوق جن پر ہوں، میں نے سب کو معاف کیے۔''

گاڑی میں سوار ہوئے تو راستے میں شدید بخار ہو گیا۔ شدتِ بخار میں یہ شعر زبان پر رہا:

مَرِضْتُ شَوْقًا وَمُتُّ هِجْرًا
فَكَيْفَ اَشْكُوْ اِلَيْكَ شَكْوٰى

بعض خدام نے عرض کیا: ''حضور ایسی حالت میں سفر ملتوی فرما دیں۔'' فرمایا:

''اگر حج و زیارت میری قسمت میں ہوا تو روانگی کی تاریخ تک اچھا ہو جاؤں گا اور اگر عمر کا پیمانہ لبریز ہی ہو چکا ہے، تو اس سے بڑھ کر کون سی فیروز مند موت ہو سکتی ہے کہ راہِ حبیب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں اپنی جان دے دوں۔''[۴۱]

۳/ستمبر بروز جمعہ بمبئی پہنچے تو ڈاکٹر نے بتایا نمونیہ کا عارضہ ہو گیا ہے۔ ۲/ذیقعدہ ۶/ستمبر بروز دوشنبہ (۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء) رات کے گیارہ بجے سکرات کا عالم طاری تھا، اسی عالم میں دونوں ہاتھ اُٹھانے کی کوشش کی مگر ایک ہاتھ نہ اُٹھ سکا۔ اِسی طرح نماز کی نیت باندھی اور کچھ پڑھنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ ایک ہچکی آئی اور قاصدِ مدینہ طیبہ کی روح پرواز کر گئی۔ اُدھر اسی وقت حجاز کا جہاز کھلا مگر:

؎ مدینے کا مسافر ہند سے پہنچا مدینے میں
قدم رکھنے کی نوبت بھی نہ آئی تھی سفینے میں[۴۲]

مادۂ تاریخ وصال درج ذیل آیت قرآنی ہے:

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِىْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ[۴۳]

۱۳ ھ ۶۷

شاعرِ مشرق شفیق جونپوری نے یہ قطعہ پیش کیا:

سلامی جا بجا ارض و سما دیں
مہ و خورشید پیشانی جھکا دیں
ترے خدام اے صدرِ شریعت
جدھر جائیں فرشتے پر جھکا دیں[۴۴]

مولانا عبدالمصطفیٰ اعظمی رحمہ اللہ تعالیٰ نے طویل نذرانۂ عقیدت پیش کیا۔ اُس کے صرف دو بند ملاحظہ ہوں:

آہ! اے صدرِ شریعت، صدر بزمِ اہلِ دیں
آہ! اے بدرِ طریقت، مردِ میدانِ یقیں
آہ! اے غمخوارِ ملت، عالمِ شرعِ مبیں
آہ! اے احمد رضا خلد آشیاں کے جانشیں

سر زمینِ ہند رحلت سے تری مہجور ہے
اب جہانِ زندگی بے کیف ہے، بے نور ہے
السلام اے صدرِ ملت ہادیٔ حق پیشوا
السلام اے ناخدائے کشتیٔ دینِ ہدیٰ

السلام اے نورِ چشمِ حضرتِ احمد رضا
السلام اے فخرِ دیں، پروردۂ غوث الوریٰ
السلام اے اعظمی کے دین و دنیا کے ولی
السلام اے حضرت علامہ امجد علی[۴۵]

حوالہ جات

۱ــــ غلام مہر علی، مولانا: الیواقیت المہریہ ص ۷۹
۲ــــ محمود احمد قادری، مولانا: شاہ تذکرہ علماء اہلسنت (مطبوعہ بھوانی پور بہار، ۱۳۹۱ھ) ص ۵۱، ۵۲)
۳ــــ ماہنامہ پاسبان الہ آبادی (امام احمد رضا نمبر، شمارہ مارچ و اپریل ۱۹۶۲ء) ص ۶۴
محمود احمد قادری، مولانا: تذکرہ علمائے اہلسنت، ص ۵۲
۴ــــ ماہنامہ رضائے مصطفیٰ، گوجرانوالہ، شمارہ ۲۵ ذیقعدہ (۱۳۷۹ھ/۱۹۶۰ء) ص ۳
۵ــــ محمد مصطفیٰ رضا، مفتی اعظم ہند: ملفوظات حصہ اوّل (مطبوعہ کراچی) ص ۹۳
۶ــــ احمد رضا بریلوی، اعلیٰ حضرت مولانا: الاستمداد (مطبوعہ لاہور) ص ۷۹
۷ــــ ماہنامہ پاسبان، الہ آباد (امام احمد رضا نمبر) ص ۶۵
۸ــــ رضائے مصطفیٰ (صدر الشریعہ نمبر)، شمارہ ۲/ ذیقعدہ ۱۳۷۹ھ) ص ۳
۹ــــ ماہنامہ رضائے مصطفیٰ، گوجرانوالہ (صدر الشریعہ نمبر) شمارہ نمبر ۲، ذیقعدہ ۱۳۷۹ھ) ص ۳
۱۰ــــ محمود احمد قادری، مولانا: تذکرہ علماء اہلسنت، ص ۵۳
۱۱ــــ غلام مہر علی، مولانا: الیواقیت المہریہ ص ۸۰
۱۲ــــ محمود احمد قادری، مولانا: تذکرہ علمائے اہلسنت، ص ۵۳
۱۳ــــ محمد عبدالشاہد خان شروانی، باغی ہندوستان، مطبوعہ بجنور ۱۹۴۷ء، ص ۲۳۷
۱۴ــــ ماہنامہ پاسبان، الہ آباد (امام احمد رضا نمبر) ص ۶۷
۱۵ــــ رضائے مصطفیٰ (۲ ذیقعدہ ۱۳۷۹ھ) ص ۷
۱۶ــــ ماہنامہ پاسبان، الہ آباد (امام احمد رضا نمبر) ص ۶۸
۱۷ــــ محمد ایوب قادری، یادگار بریلی، انجمن تعاون احباب کی دوسری رپورٹ (مطبوعہ کراچی ۱۹۷۰ء) ص ۱۶
۱۸ــــ ماہنامہ پاسبان، الہ آباد (امام رضا نمبر) ص ۶۸
۱۹ــــ ایضاً: ص ۶۸، ۶۹
۲۰ــــ (یہ سوالنامہ "اتمام حجت تامہ" (۱۳۳۹ھ) کے نام سے چھپ چکا ہے، ملاحظہ ہو: دوامغ الحمیر: مطبوعہ مطبع حسنی، بریلی، ص ۴۰، ۴۶)
۲۱ــــ دوامغ الحمیر: مکتوب صدر الافاضل، ص ۵۴، ۵۵
۲۲ــــ ایضاً: ص ۵۶، ۵۷
۲۳ــــ ابوالبرکات سیّد احمد، مفتی اعظم پاکستان، قلمی یادداشت

۲۴۔۔۔ غلام معین الدین نعیمی، مولانا: حیات صدر الافاضل (طبع ثانی) ص ۱۹۰

۲۵۔۔۔ محمود احمد قادری، مولانا: تذکرہ علمائے اہلسنت ص ۵۲

۲۶۔۔۔ محمد امجد علی اعظمی، صدر الشریعہ: بہار شریعت، حصہ ۱۷، ص ۱۰۲

۲۷۔۔۔ (ماہنامہ پاسبان الہ آباد (امام احمد رضا نمبر) ص ۷۰

۲۸۔۔۔ ماہنامہ پاسبان، الہ آباد (امام احمد رضا نمبر) ص ۶۹، ۷۱

۲۹۔۔۔ محمد امجد علی اعظمی، صدر الشریعہ: بہار شریعت، جلد ۱۷، ص ۱۰۰

۳۰۔۔۔ ایضاً: ج ۲، ص ۱۰۱

۳۱۔۔۔ محمد امجد علی اعظمی، صدر الشریعہ: بہار شریعت جلد ۱۷، ص ۱۰۱

۳۲۔۔۔ ایضاً ص ۱۰۱

۳۳۔۔۔ اعظمی کی تفسیر یہ ہے کہ صدر الشریعہ، امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ کے مذہب اور حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے مشرب پر تھے اور نسبتِ سکونت اعظم گڑھ کی طرف رکھتے تھے۔ اعظم گڑھ کی نسبت سے اپنے آپ کو اعظمی کہنے کے موجد صدر الشریعہ تھے ورنہ آپ سے پہلے لوگ اعظم گڑھی لکھا کرتے تھے۔

(ماہنامہ پاسبان، امام احمد رضا نمبر، ص ۷۱)

۳۴۔۔۔ بہار شریعت: جلد دوم، ص ۱۱۶

۳۵۔۔۔ مقالات یوم رضا (حصہ سوم) مطبوعہ رضا اکیڈمی، لاہور (۱۹۷۱ء) ص ۹۱

۳۶۔۔۔ ماہنامہ پاسبان (امام احمد رضا نمبر) ص ۷۲۔۷۴

۳۷۔۔۔ ماہنامہ پاسبان (امام احمد رضا نمبر) ص ۷۲، ۷۴

۳۸۔۔۔ رضائے مصطفیٰ (صدر الشریعہ نمبر) شمارہ ۲، ذیقعدہ ۱۳۶۹ھ، ص ۸

۳۹۔۔۔ افسوس کہ علامہ ازہری رحمہ اللہ تعالیٰ ۱۶ ربیع الاول، ۱۸ اکتوبر ۱۴۱۰ھ/ ۱۹۸۹ء کو رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ۱۲ اشرف قادری

۴۰۔۔۔ غلام مہر علی، مولانا: الیواقیت المہریہ، ص ۸۰

۴۱۔۔۔ رضائے مصطفیٰ، گوجرانوالہ (صدر الشریعہ نمبر) ص ۸

۴۲۔۔۔ ایضاً: ص ۸

۴۳۔۔۔ ماہنامہ پاسبان (امام احمد رضا نمبر) ص ۷۴

۴۴۔۔۔ ایضاً: ص ۷۴

۴۵۔۔۔ رضائے مصطفیٰ، گوجرانوالہ (صدر الشریعہ نمبر) ص ۱

نوٹ: یہ مقالہ "باغی ہندوستان" کے ضمیمہ میں پاکستان اور ہندوستان سے چھپ چکا ہے۔

امام المحدّثین حضرت مولانا سیّد محمد دیدار علی شاہ الوری

﴿قدس سرہٗ العزیز﴾

مرجع الفقہاء والمحدّثین مولانا ابو محمد سیّد محمد دیدار علی شاہ ابن سیّد نجف علی ۱۲۷۳ھ/ ۱۸۵۶ء بروز پیر محلّہ نواب پورہ الور میں پیدا ہوئے۔[1] آپ کے عم مکرم، باخدا بزرگ مولانا سیّد نثار علی شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ولادت سے قبل آپ کی والدہ ماجدہ کو بشارت دیتے ہوئے فرمایا:

''بیٹی! تیرے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو دینِ مصطفوی کو روشن کرے گا، اس کا نام دیدار علی رکھنا۔''[2]

آپ کا سلسلۂ نسب حضرت امام موسیٰ رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتا ہے۔ آپ کے آباؤ اجداد مشہد سے ہندوستان آئے اور الور میں قیام پذیر ہوئے۔

تعلیم و تربیت:

آپ نے صرف و نحو کی ابتدائی کتابیں الور میں مولانا قمر الدین سے پڑھیں۔ مولانا کرامت اللہ خاں سے دہلی میں درسی کتابوں اور دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔ فقہ و منطق کی تحصیل مولانا ارشاد حسین رام پوری سے کی۔ سندِ حدیث مولانا احمد علی محدّثِ سہارنپوری اور حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی سے حاصل کی۔ حضرت شیخ الاسلام پیر سیّد مہر علی شاہ گولڑوی اور مولانا وصی احمد محدّث سورتی آپ کے ہم درس تھے۔

بیعت و اجازت و خلافت:

آپ سلسلۂ نقشبندیہ میں حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی کے مرید اور

خلیفہ تھے۔ سلسلۂ چشتیہ میں حضرت مولانا سیّد علی حسین کچھوچھوی اور سلسلۂ قادریہ میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کے خلیفۂ مجاز ہوئے۔[۳]

حضرت مولانا سیّد دیدار علی شاہ اور صدر الافاضل مولانا سیّد محمد نعیم الدین مرادآبادی کے درمیان بڑے گہرے دوستانہ مراسم تھے۔ ایک مرتبہ حضرت صدرالافاضل نے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی کا ذکر کیا، اور ملاقات کی رغبت دلائی۔ حضرت سیّد المحدثین نے فرمایا:

''بھائی مجھے اُن سے کچھ حجاب سا آتا ہے وہ پٹھان خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور سنا ہے طبیعت سخت ہے۔''

لیکن حضرت صدرالافاضل دوستانہ روابط کی بنا پر بریلی لے ہی گئے۔ ملاقات ہوئی تو حضرت مولانا نے عرض کی: ''حضور مزاج کیسے ہیں؟'' اعلیٰ حضرت نے فرمایا:

''بھائی کیا پوچھتے ہو، پٹھان ذات ہوں، طبیعت کا سخت ہوں۔''

کشف کی یہ کیفیت دیکھ کر مولانا کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ سرِ عقیدت نیاز مندی سے جھکا دیا۔ اِس طرح بارگاہِ رضوی سے نہ ٹوٹنے والا تعلق قائم ہو گیا۔[۴]

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ نے حضرت مولانا سیّد دیدار علی شاہ قدس سرہٗ اور آپ کے قابلِ صد فخر فرزند مفتی اعظم پاکستان مولانا سیّد ابوالبرکات مدظلہ العالی کو تمام کتُب فقہ حنفی کی روایت کی اجازت فرمائی۔[۵] اور اجازت و خلافت عطا فرماتے ہوئے تمام اوراد و وظائف کی اجازت فرمائی۔

درس و تدریس:

تکمیل علوم کے بعد ایک سال مدرسہ اشاعت العلوم، رامپور میں رہے۔ ۱۳۲۵ھ/ ۱۹۰۷ء میں الور میں ''قوت الاسلام'' کے نام سے ایک دارالعلوم قائم کیا۔ پھر لاہور تشریف لا کر جامعہ نعمانیہ میں فرائضِ تدریس انجام دیتے رہے۔ ۱۳۳۵ھ/ ۱۹۱۷ء میں مولانا ارشاد حسین رامپوری کے ایما پر آگرہ میں شاہی مسجد کے خطیب اور مفتی کی حیثیت سے تشریف لے گئے۔ ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۲ء میں دوبارہ لاہور تشریف لائے۔[۶] اور مسجد وزیر

خاں میں خطابت کے ساتھ درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ ۱۳۴۳ھ/ ۱۹۲۵ء میں مرکزی انجمن حزب الاحناف قائم کی اور دارالعلوم حزب الاحناف کی بنیاد رکھی، جہاں سے سینکڑوں علماء، فضلاء اور مدرّسین پیدا ہوئے۔ آج پاکستان کا شاید ہی کوئی شہر یا دیہات ہوگا جہاں حزب الاحناف کے فارغ التحصیل علماء دینی خدمات انجام نہ دے رہے ہوں۔

حضرت کی ذاتِ ستودہ صفات محتاجِ تعارف نہیں۔ بے باکی اور حق گوئی آپ کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی۔ مخالفتوں کے طوفان آپ کے پائے ثبات کو جنبش نہ دے سکے۔ دنیا کی کوئی طاقت انہیں مرعوب نہ کرسکتی تھی۔ علم و فضل کے تو گویا سمندر تھے۔ کسی مسئلے پر گفتگو شروع کرتے تو گھنٹوں بیان جاری رہتا۔ سورۂ فاتحہ کا درس ایک سال میں ختم ہوا۔ آپ کے خلوص و ایثار، زُہد و تقویٰ، سادگی اور اخلاقِ عالیہ کے مخالف و موافق سبھی معترف تھے۔ سُنّیت اور حنفیت کے تحفظ اور فروغ کے لئے آپ نے نہایت اہم خدمات انجام دیں۔

اولادِ امجاد:

غازی کشمیر مولانا سیّد ابوالحسنات قادری صدر جمعیت علماء پاکستان (رحمہ اللہ تعالیٰ) اور مفتی اعظم پاکستان حضرت ابو البرکات سیّد احمد، شیخ الحدیث دارالعلوم حزب الاحناف، لاہور دامت برکاتہم العالیہ آپ ہی کے فضل و کمال کے عکسِ جمیل ہیں۔

شعر گوئی:

آپ عربی، اردو اور فارسی میں شعر بھی کہتے تھے۔ آپ کے دیوان پختگی کلام پر شاہد ہیں۔

تلامذہ:

ہندو پاک میں آپ کی انتھک تدریسی کاوشوں کی بدولت بے شمار تلامذہ نے آپ سے علومِ دینیہ کی تعلیم پائی۔ آپ کے صاحبزادگان کے علاوہ چند تلامذہ کے نام یہ ہیں:

۱-مولانا ارشاد علی الوری مرحوم ۲-مولانا رکن الدین الوری نقشبندی
۳-مولانا محمد اسلم جلال آبادی ۴-مولانا عبدالحق ولایتی
۵-مولانا عبدالرحمٰن ولایتی ۶-مولانا سیّد فضل شاہ (پنجابی)
۷-مولانا فیض اللہ خان ہوتی مردان ۸-مولانا محی الاسلام بہاولپوری
۹-مولانا عبدالقیوم ہزاروی ۱۰-مولانا سیّد منور علی شاہ
۱۱-مولانا محمد رمضان بلوچستانی ۱۲-مولانا غلام محی الدین کاغانی
۱۳-مولانا محمد رمضان لسبیلہ، سندھ ۱۴-مولانا شفیق الرحمٰن، پشاور
۱۵-مولانا فضل حسین، معین الدین پور، گجرات ۱۶-مولانا عبدالعزیز، الگوں
۱۷-مولانا زین الدین الوری ۱۸-مولانا عبدالقیوم الوری
۱۹-مولانا عبدالرحیم الوری ۲۰-مولانا عبدالجلیل جالندھری
۲۱-مولانا محمد غوث ملتانی ۲۲-مولانا عبدالعزیز، بورے والا
۲۳-مولانا محمد مہر الدین مدظلہ العالی شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور
۲۴-مولانا ابوالخیر محمد نور اللہ نعیمی مدظلہ العالی (بانی و مہتمم دارالعلوم حنفیہ فریدیہ، بصیر پور)

آثارِ علمیہ:

آپ نے محققانہ تصانیف کا ذخیرہ یادگار چھوڑا ہے۔ بعض تصانیف کے نام یہ ہیں:

۱-تفسیر میزان الادیان (مقدمہ و تفسیر سورۂ فاتحہ)
۲-ہدایۃ الغوی درر دِ روافض ۳-رسول الکلام
۴-تحقیق المسائل ۵-ہدایۃ الطریق
۶-سلوک قادریہ ۷-علامات وہابیہ
۸-فضائل رمضان ۹-فضائل شعبان
۱۰-الاستغاثۃ من اولیاء اللہ عین الاستغاثۃ من اللہ
۱۱-دیوان دیدار علی (فارسی) ۱۲-دیوان دیدار علی (اُردو)

سانحہ ارتحال:

۲۲ر رجب المرجب ۲۰ر اکتوبر ۱۳۵۴ھ / ۱۹۳۵ء کو اپنے رب کریم کے دربار میں حاضر ہوئے اور جامع مسجد اندرون دہلی دروازہ، لاہور میں دفن ہوئے۔ مولانا ابوالحسنات رحمہ اللہ تعالیٰ نے قطعۂ تاریخ وصال کہا، جس کا تاریخی شعر یہ ہے:

حافظ پسِ سرکوبیِ اعداءِ شریعت
"دیدار علی یافتہ دیدارِ علی را"
۱۳۵۴ھ

حوالہ جات

۱۔۔۔ غلام مہر علی، مولانا: الیواقیت المہریہ، ص ۱۱۷
۲۔۔۔ عبدالنبی کوکب، قاضی: اخبار جمعیت، لاہور (۷ر فروری ۱۹۵۸ء) ص ۳
۳۔۔۔ اقبال احمد فاروقی، پیرزادہ: تذکرہ علمائے اہلِ سنّت و جماعت، لاہور، ص ۲۶۸۔۲۶۹
۴۔۔۔ ایضاً، ص ۲۶۸۔۲۶۹
۵۔۔۔ دیدار علی شاہ، امام المحدثین: مقدمہ میزان الادیان بتفسیر القرآن، ص ۸۰
۶۔۔۔ نقوش، لاہور نمبر: ص ۹۲۹
۷۔۔۔ غلام مہر علی مولانا: الیواقیت المہریہ، ص ۱۱۹
۸۔۔۔ یہ کتاب مولوی رشید احمد گنگوہی سے بعض فقہی مسائل کے سلسلے میں خط و کتابت کا مجموعہ ہے جن میں گنگوہی صاحب عاجز آ گئے تھے۔

ملک العلماء حضرت علامہ

مولانا محمد ظفر الدین بہاری رحمہ الباری

حضرت علامہ مولانا معین الدین اجمیری رحمہ اللہ تعالیٰ کے بھتیجے محترم حکیم نصیر الدین مدظلہ (مالک نظامی دواخانہ، کراچی) نے ایک مکتوب میں تحریر کیا تھا کہ

''مولانا محمد حسین رحمہ اللہ تعالیٰ (جھنگ) علامہ الہند مولانا معین الدین اجمیری کے ایسے باکمال شاگرد تھے کہ اگر وہ پس پردہ بیٹھ کر پڑھا رہے ہوتے تو علامۃ الہند کا کوئی جاننے والا پہچان نہیں سکتا تھا کہ مولانا محمد حسین پڑھا رہے ہیں یا علامۃ الہند؟''

غرض یہ کہ وہ ہو بہو اپنے استاد کی کاپی تھے۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے تو ایسے کئی شاگرد تھے۔

تعلیم وتربیت:

امام احمد رضا خاں بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی یہ کرامت ہی کہیے کہ اُن کے تلامذہ اور خلفاء نہ صرف علم وفضل بلکہ صلابت دینی میں بھی اُن کے مظہر تھے، ان میں سے ایک ممتاز ہستی حضرت مولانا علامہ ملک العلماء مولانا محمد ظفر الدین قادری تھے۔ انہوں نے اپنے دور کے باکمال اساتذہ مثلاً حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتی اور حضرت مولانا احمد حسن کانپوری سے اکتسابِ فیض کیا۔ مولانا لطف اللہ علی گڑھی اور حضرت مولانا ارشاد حسین رامپوری کے خاص تلامذہ مولانا سیّد بشیر احمد علی گڑھی اور مولانا حامد حسن رامپوری کے سامنے بھی زانوئے تلمذ طے کیا۔ تاہم جس ہستی سے وہ سب سے زیادہ مستفیض اور متاثر ہوئے وہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی

قدس سرہٗ العزیز تھے۔

بیعت کی سعادت:

ملک العلماء بریلی شریف امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اتنے متاثر ہوئے کہ محرم الحرام ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء میں آپ کے دستِ اقدس پر بیعت ہو گئے۔

امام احمد رضا کی شاگردی:

ملک العلماء کو شوق پیدا ہوا کہ درسیات کی تکمیل امام احمد رضا سے کروں لیکن وہ ہر وقت مطالعہ اور تصنیف میں مصروف رہتے تھے، نیز اُن کے ہاں کوئی مدرسہ بھی نہ تھا۔ ملک العلماء کے جنوں خیز علمی شوق کی کرامت دیکھئے کہ انہوں نے امام احمد رضا خاں بریلوی کے چھوٹے بھائی حضرت مولانا حسن رضا بریلوی اور بڑے صاحبزادے حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خاں بریلوی اور حضرت مولانا حکیم سیّد محمد امیر اللہ شاہ بریلوی رحمہم اللہ تعالیٰ کو تیار کیا، اور اُن کی کوشش سے امام احمد رضا خاں بریلوی کو مدرسہ "منظر اسلام، محلہ سوداگراں، بریلی شریف قائم کرنے پر راضی کیا۔ مدرسہ کا نام تاریخی ہے جس سے ۱۳۲۲ عدد برآمد ہوتے ہیں، اِسی سال یہ مدرسہ قائم کیا گیا۔ مولانا ظفر الدین بہاری اور اُن کے ہم وطن دوست مولانا سیّد عبدالرشید عظیم آبادی اِن دو طالب علموں سے مدرسے کا افتتاح ہوا۔

ملک العلماء نے امام احمد رضا خاں بریلوی سے "صحیح بخاری شریف" "اقلیدس" کے چھ مقالے، "تصریح" "شرح چغمینی" مکمل کر کے علم توقیت، جفر اور تکسیر وغیرہ فنون حاصل کئے۔ تصوّف کی کتابوں "عوارف المعارف" اور "رسالہ قشیریہ" کا بھی درس لیا۔ شعبان ۱۳۲۴ھ/ ۱۹۰۶ء میں علماء کے جمِ غفیر میں امام احمد رضا خاں بریلوی کی فرمائش پر حضرت مخدوم شاہ حیات احمد قدس سرہٗ سجادہ نشین ردولی شریف نے دستارِ فضیلت باندھی اور سند عطا کی۔

اجازت وخلافت:

تحصیلِ علوم سے فراغت کے بعد امام احمد رضا خاں بریلوی نے آپ کو تمام سلاسل میں خلافت واجازت مطلقہ سے نوازا[۱] اور ''ملک العلماء'' ''فاضلِ بہار'' کا لقب عطا فرمایا[۲]۔

امام احمد رضا کے چہیتے:

ملک العلماء، امام احمد رضا خاں بریلوی کے عزیز ترین اور مایہ ناز شاگرد اور خلیفہ تھے۔ کبھی اپنے مکتوبات میں انہیں لکھتے:

○ ـــ ''حبیبی وولدی وقرۃ عینی''
(میرے پیارے، میرے بیٹے، میری آنکھوں کی ٹھنڈک)

○ ـــ اور کبھی یوں تحریر فرماتے:

''جانِ پدر بلکہ از جان بہتر''

ملک العلماء کے بارے میں امام احمد رضا خاں بریلوی کے تاثرات کا مرقع وہ مکتوب ہے جو انہوں نے انجمن نعمانیہ، لاہور کے ناظم خلیفہ تاج الدین رحمہ اللہ تعالیٰ کو ۵/ شعبان المکرّم ۱۳۲۷ھ کو ارسال کیا، اس میں فرماتے ہیں:

''ـــ مکرمی مولانا مولوی محمد ظفرالدین صاحب قادری سلّمہٗ، فقیر کے یہاں کے اعز طلباء سے ہیں اور میرے بجاں عزیز، ابتدائی کتب کے بعد یہیں تحصیلِ علوم کی اور اب کئی سال سے میرے مدرسے میں مدرّس اور اس کے علاوہ کارِ افتاء میں میرے معین ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ جتنی درخواستیں آئی ہوں سب سے یہ زائد (یعنی بڑھ کر) ہیں، مگر اتنا ضرور کہوں گا کہ سُنّی خالص مخلص، نہایت صحیح العقیدہ، ہادی مہدی ہیں ـــ عام درسیات میں بفضلہٖ تعالیٰ عاجز نہیں ـــ مفتی ہیں ـــ مصنف ہیں ـــ واعظ ہیں ـــ مناظرہ بعونہٖ تعالیٰ کر سکتے ہیں۔ علماء زمانہ میں علم توقیت

سے تنہا آگاہ ہیں۔[1]

امام احمد رضا خاں بریلوی نے ''الاستمداد'' کے نام سے تین سو ساٹھ اشعار پر مشتمل ایک قصیدہ لکھا، جس میں ''ذکرِ اصحاب و دعائے احباب'' کے عنوان سے اپنے خلفاء اور خصوصی احباب کا تذکرہ فرمایا۔ تیسرے نمبر پر ملک العلماء فاضلِ بہار کا تذکرہ اِن الفاظ میں کیا:

میرے ظفر کو اپنی ظفر دے
اِس سے شکستیں کھاتے یہ ہیں

غرض یہ کہ ملک العلماء اپنے اُستاذ اور مُرشد گرامی کے چہیتے اور خاص احباب میں سے تھے۔ وہ اُس دور کے مروّج علوم وفنون کے علاوہ علم جفر، تکسیر اور توقیت میں امام احمد رضا کے مظہر اتم تھے، بلکہ توقیت میں تو بقول امام احمد رضا: ''تنہا آگاہ تھے'' یعنی پورے ہندوستان میں ان کے پائے کا دوسرا عالم نہ تھا۔ بریلی شریف میں جو نقشہ اوقات نماز شائع ہوتا تھا وہ ملک العلماء ہی تیار کرتے تھے۔ حضرت مفتیِ اعظم پاکستان علامہ ابوالبرکات سیّد احمد قادری رحمہ اللہ تعالیٰ کی فرمائش پر ملک العلماء نے لاہور اور اُس کے اردگرد ڈیڑھ دو سو مقامات کے لئے دائمی نقشۂ اوقات نماز مرتّب کر کے بھجوایا تھا جو ''مؤذن الاوقات'' کے نام سے شائع ہوا تھا۔ حزب الاحناف، لاہور کی طرف سے جو دائمی نقشۂ اوقات شائع ہوتا ہے وہ ملک العلماء ہی کا ترتیب دیا ہوا ہے۔

حضرت ملک العلماء صحیح معنوں میں فنا فی الشیخ تھے۔ تمام عمر اُن کے گُن گاتے رہے اور انہیں کے مشن کو آگے بڑھانے کے لئے اپنی توانائیاں صرف کرتے رہے۔ ''الجواھر والیواقیت فی علم التوقیت'' میں ایک جدول نقل کرنے سے پہلے فرماتے ہیں:

''اعلیٰ حضرت، امامِ اہلِ سُنت، جامع معقول ومنقول، حاوی فروع و اُصول، مجدّد مائۃ حاضرہ، صاحبِ حجتِ قاہرہ، شیخ الاسلام والمسلمین، سیّدی وسندی و ذخری لیومی وغدی، مولانا، مولوی الحاج القاری شاہ محمد احمد رضا

خاں صاحب فاضل بریلوی قدسنا اللہ بسرہ الصوری والمعنوی نے مرے پڑھنے کے زمانہ میں ایک مکمل جدول ترتیب دے کر طبع فرمایا تھا، میں اس جگہ بعینہٖ اُس کو درج کر دینا مناسب سمجھتا ہوں تا کہ اِس فن کے شائقین کو اعلیٰ حضرت کے فیض و برکت سے بہت آسانی ہو۔"[۴]

"صحیح البہاری" کے مقدمہ کی ابتداء میں فرماتے ہیں:

"ہم مقصد میں شروع ہونے سے پہلے ایک مقدمہ لاتے ہیں جو متعدد فوائد پر مشتمل ہے۔ یہ فوائد ہم نے علماء کرام خصوصاً سیّدی و ملاذی، شیخی و اُستاذی، شیخ الاسلام والمسلمین، وارثِ علوم سیّد المرسلین، موید الملّتہ الطاہرۃ، مجدّد المائتہ الحاضرۃ مولانا الشاہ احمد رضا خاں قادری برکاتی بریلوی، اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا و آخرت میں اُن کی برکات سے نفع عطا فرمائے، کی تصانیف سے چنے ہیں۔" (اردو ترجمہ)[۵]

اس سے پہلے بیان کیا گیا ہے کہ ملک العلماء علم ہیئت اور توقیت میں خصوصی مہارت کے حامل تھے اور ان علوم میں ہندوستان میں اُن کا کوئی معاصر نظر نہیں آتا۔ اِس کا اندازہ اِس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے "شرحِ چغمینی" پڑھاتے ہوئے قوس سمت کے بیان میں سمتِ قبلہ کا تذکرہ کرتے ہوئے بیان کیا کہ:

"جو علماء اپنے آپ کو اس فن کا جاننے والا سمجھتے ہیں، ان میں سے بعض یہ کہتے ہیں کہ اگر کسی جگہ کا عرض البلد مکہ معظمہ سے زائد ہو تو اس جگہ کے لوگ کسی قدر جنوب کی طرف جھک کر کھڑے ہوں، اور اگر عرض البلد کم ہو تو شمال کی طرف جھکتے ہوئے کھڑے ہونا کافی ہے، حالانکہ یہ غلط ہے۔"

بعض طلباء کو یہ مسئلہ سمجھنے میں دشواری پیش آئی۔ انہوں نے اس وقت کے مشہور علماء کے پاس درج ذیل استفتاء بھیجا:

"کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کلکتہ، پٹنہ، گیا، الہ آباد کا سمت قبلہ شمالی ہے یا جنوبی؟ ــــ ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ ان

سب جگہوں کا قبلہ شمالی ہے، چونکہ یہ سب شہر مکہ معظّمہ سے زائد العرض ہیں، اِس لئے خیال ہوتا ہے کہ سمت قبلہ ان شہروں کا جنوبی ہونا چاہیے۔
نیز وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ سمت قبلہ میں عرض حرم سے عرض البلد کے زائد یا کم ہونے کا اعتبار نہیں بلکہ عرض موقع کے زائد یا کم ہونے پر انحراف کا مدار ہے۔۔۔ عرض موقع کیا چیز ہے؟ اور سمت قبلہ نکالنے کا کیا قاعدہ ہے؟''

یہ استفتاء درج ذیل مشاہیر کو ارسال کیا گیا:
۱- مولانا سیّد سلیم احمد صاحب، ریاست ٹونک۔
۲- مولانا محمد فضل حق صاحب، پرنسپل مدرسہ عالیہ، ریاست رامپور۔
۳- مولانا محمود صاحب، رائی بیٹھ، مدراس۔
۴- مولانا حفیظ اللہ صاحب، ندوۃ العلماء، لکھنوٴ۔
۵- مولوی انور شاہ صاحب، صدر المدرّسین، دیو بند۔
۶- مولوی سیّد سلیمان ندوی صاحب، دار المصنفین، اعظم گڑھ۔
۷- مولوی ابوالکلام صاحب آزاد، کلکتہ۔
۸- مولوی کفایت اللہ صاحب، دہلی۔
۹- مولوی ماجد علی صاحب، مدرّس مدرسہ عالیہ، کلکتہ۔
۱۰- مولوی عبداللطیف صاحب، مدرسہ مظاہر العلوم، سہارنپور۔
۱۱- مولوی ثناء اللہ صاحب، ایڈیٹر ''اہلِ حدیث'' امرتسر۔
۱۲- مولوی اشرف علی صاحب، تھانہ بھون ضلع مظفر نگر۔

لیکن حیرت کی بات ہے کہ ان مشاہیر میں سے اکثر نے خاموشی اختیار کی۔ بعض نے اِس فن کے ساتھ دلچسپی نہ ہونے کا ذکر کیا، اور جن بعض نے جواب دیا وہ بھی اگر خاموشی اختیار کرتے یا معذرت کر دیتے تو بہتر تھا۔ اُن کے جوابات پر ملک العلماء نے جو تبصرہ کیا ہے، وہ پڑھنے کے لائق ہے، اور ''الجواھر والیواقیت'' میں ملاحظہ کیا جا

سکتا ہے:

''سب سے پہلے مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کا جواب آیا، انہوں نے لکھا کہ میں سوال ہی نہیں سمجھا (جواب کیا دوں؟) اور سمت قبلہ نکالنے کا قاعدہ کسی ہیئت داں سے پوچھا جائے۔ شاید مدرسہ دیوبند سے اس کا جواب موصول ہو سکے۔ اشرف علی۔''[۱]

ملک العلماء مولانا محمد ظفر الدین بہاری نے ''الجواھر والیواقیت'' میں متحدہ ہندوستان کے اضلاع کی سمت ہائے قبلہ بیان کی ہیں اور ہر شہر کا طولِ بلد، عرضِ بلد، قوسِ انحراف اور نقطۂ مغرب سے سمت انحراف بیان کی ہے۔ فرماتے ہیں:

''فقیر اپنے مسلمان بھائیوں کی نفع رسانی اور مساجد و صلاۃ کی صحت و درستی کے خیال سے صوبہ جات بنگال، بہار، ممالک مغربی و شمالی و پنجاب کے جُملہ اضلاع کے سمتِ قبلہ نکال کر ایک جدول میں بہ ترتیبِ حروفِ تہجی مع طول و عرضِ بلد لکھ دیتا ہے کہ جو صاحب خود نکالنا چاہیں ان کو سہولت ہو۔''[۲]

اس سے پہلے امام احمد رضا بریلوی کے بیان کردہ دس قواعد بیان کئے ہیں، اُن قواعد کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اس جگہ میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہٗ العزیز کے رسالہ سمت قبلہ سے باب دوم پر اکتفا کروں جس کے دس قواعد تمام روئے زمین زیر و بالا، بحر و بر، سہل و جبل، آبادی و جنگل سب کو محیط ہیں کہ جس مقام کا عرض و طول معلوم ہو نہایت آسانی سے اس کی سمت قبلہ نکل آئے، آسانی اتنی کہ ان سے سہل تر بلکہ ان کے برابر بھی اصلاً کوئی قاعدہ نہیں اور تحقیق ایسی کہ عرض و طول اگر صحیح ہوں اور ان قواعد سے سمت قبلہ نکال کر استقبال کریں اور پردے اُٹھا دیئے جائیں تو کعبہ کو خاص روبرو پائیں۔''[۵]

درس و تدریس:

حضرت ملک العلماء ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء میں مدرّس مقرر ہوئے۔ ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء تک یہیں فرائض تدریس انجام دیئے۔ اسی سال شملہ کی جامع مسجد کے خطیب مقرر ہو کر گئے۔ پھر مدرسہ حنفیہ، آرہ میں بحیثیت صدر مدرّس تشریف لے گئے۔ ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۳ء میں جامع شمس الہدیٰ، پٹنہ میں مدرّس مقرر ہوئے۔

۱۹۱۶ء میں حضرت سیّد شاہ ملیح الدین احمد، سجادہ نشین خانقاہِ کبیریہ، سہسرام کے مدرسہ میں مدرّس اوّل ہو کر گئے۔ ۱۳۳۸ھ/۱۹۲۱ء میں جب جامعہ شمس الہدیٰ، پٹنہ گورنمنٹ کے زیرِ انتظام آیا تو سینئر مدرّس ہو کر واپس آئے۔ ۱۳۶۵ھ/۱۹۴۸ء کو جامعہ کے پرنسپل ہوئے۔ ۲۲/ نومبر ۱۹۴۹ء کو رُخصت لے کر آرام کیا، اور ۱۹۵۰ء میں پرنسپل کے عہدے سے سبکدوش ہوئے۔ ۱۳۶۷ھ سے ۱۳۷۰ھ تک ظفر منزل، شاہ گنج، پٹنہ میں مقیم رہے۔ حضرت سیّد شاہ شاہد حسین (سجادہ نشین تکیہ حضرت شاہ رکن الدین عشق) کی استدعا پر ۲۱/ شوال المکرم ۱۳۷۱ھ میں کٹیہار میں جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کا افتتاح کیا، اور صدر مدرّس کی مسند کو زینت بخشی۔[9]

غرض یہ کہ تمام زندگی تعلیم، تبلیغ و تصنیف اور خدمت میں بسر فرمائی اور قابلِ صد فخر کارنامے انجام دیئے۔

سانحۂ رحلت:

ملک العلماء کی زندگی کے آخری دو سال تصنیف و تالیف، وعظ و ہدایت اور فتویٰ نویسی میں صرف ہوئے۔ جس رات اُن کی رحلت ہوئی اس رات بھی آپ نے چار خطوط تحریر کیے۔ وہ بلڈ پریشر کے مریض تھے اور بہت کمزور ہو گئے تھے لیکن ان کے روزانہ کے دینی معمولات میں کوئی فرق نہ آیا۔ ۱۹/ جمادی الآخرۃ ۱۳۸۲ھ/ ۱۸/ نومبر ۱۹۶۲ھ کی رات ذکر جہر اللہ اللہ کرتے ہوئے جاں آفریں کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ و رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ دسویں گیارہویں صدی ہجری کے مشہور بزرگ حضرت شاہ ارزاں رحمہ اللہ تعالیٰ (متوفی ۱۰۲۸ھ) کی درگاہ سے متصل شاہ گنج کے

قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ ؎

فرزندِ ارجمند:

حضرت ملک العلماء کے فرزند ارجمند اور ہندوستان میں جدید عربی ادب کے معدودے چند فضلاء میں سے ایک فاضل، ڈاکٹر مختارالدین احمد مدظلہ ہیں۔ جو مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کے شعبہ عربی کے صدر رہ چکے ہیں۔ اس وقت علی گڑھ ہی میں قیام پذیر ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں سلامت باکرامت رکھے۔ آمین!

آثارِ علمیہ:

جناب پروفیسر ڈاکٹر مختارالدین احمد مدظلہ نے ملک العلماء کی ستر تصانیف کے نام اور اُن کا تعارف پیش کیا ہے۔ تفصیل کے لئے ''حیاتِ ملک العلماء'' مطبوعہ ادارہ معارف نعمانیہ، لاہور ملاحظہ ہو۔ درج ذیل سطور میں اُن کی چند منتخب تصانیف کی فہرست پیش کی جاتی ہے:

۱۔ ''شرح کتاب الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ'' (سال تصنیف ۱۳۲۴ھ)
سیرت طیبہ امام قاضی عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ کی شفاء شریف کی (نامکمل) شرح

۲۔ ''التعلیق علی القدوری'' (۱۳۲۵ھ) مشہور درسی کتاب ''قدوری'' پر عربی حاشیہ (فقہ)

۳۔ ''تقریب'' علم منطق میں مفید رسالہ صغریٰ سے سلم تک کے مسائل کا جامع (منطق)

۴۔ ''وافیہ'' (۱۳۲۵ھ) نحو میر سے مغنی اللبیب تک کے مسائل کا جامع رسالہ (نحو)

۵۔ ''مؤذن الاوقات'' (۱۳۳۵ھ اور اس کے بعد) مختلف شہروں کے اوقاتِ نماز، سحری و افطاری، انتہاء سحر اور ضحوہ کبریٰ کا بیان (متعدد رسائل) (توقیت)

۶۔ ''ھادی الھداۃ لترک الموالاۃ'' (۱۳۴۵ھ) تحریک ترکِ موالات کے ردّ میں (سیر)

۷- "جامع الرضوی" المعروف بہ "صحیح البہاری" (۱۳۲۵ھ) (حدیث)
تعارف آئندہ سطور میں آئے گا۔

۸- "نافع البشر فی فتاویٰ ظفر" (۱۳۴۹ھ) ملک العلماء کے فتووں کا مجموعہ (فتاویٰ)

۹- "تنویر السراج فی ذکر المعراج" (۱۳۵۳ھ و بعد)

حضرت سیّد شاہ حمید الدین سجادہ نشین تکیہ حضرت شاہ رکن الدین عشق رحمہ اللہ تعالیٰ نے ۲۷ / رجب کو رجبی شریف کے جلسوں کا اہتمام کیا، اور تقریر کے لئے حضرت ملک العلماء کو دعوت دی۔ یہ جلسے ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴ء سے شروع ہو کر ۱۳۶۵ھ/۱۹۴۶ء تک جاری رہے۔ ممکن ہے کہ بعد میں بھی جاری رہے ہوں۔ ہر سال یہ تقریریں قلم بند کر لی جاتیں اور ملک العلماء ان پر نظر ثانی ڈال لیتے تھے۔ "تنویر السراج" اسی سلسلۂ تقاریر کا نام ہے۔ پہلے سال "بسم اللہ شریف" پر اڑھائی گھنٹے تقریر ہوئی —— دوسرے سال کلمہ "سبحان پر" —— تیسرے سال کلمہ "الذی" پر غرض یہ کہ ایک ایک کلمہ اور ایک ایک حرف پر سال بسال تقریریں ہوتی رہیں اور یہ سلسلہ تیرہ سال تک جاری رکھا۔ ہمارے عزیز دوست مولانا حافظ محمد شاہد اقبال نے انجمن نوجوانانِ اہلِ سُنت، بھاٹی گیٹ، لاہور کی طرف سے انہی تقاریر پر مشتمل دو تین رسائل شائع کر دیئے ہیں۔

۱۰- "حیاتِ اعلیٰ حضرت" (۱۳۶۹ھ) سن عیسوی کے اعتبار سے اِس کا تاریخی نام "حیاتِ اعلیٰ حضرت" (۱۹۳۸ء) اور ہجری کے اعتبار سے "مظہر المناقب" (۱۳۶۹ھ) ہے۔ امام احمد رضا خاں بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ پہلا مستند تذکرہ ہے جو چار جلدوں پر مشتمل ہے۔ اب تک امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ پر جو کچھ لکھا گیا ہے اُس کی بنیاد یہی کتاب ہے۔ اِس کی ایک جلد مکتبہ رضویہ، کراچی سے چھپ چکی ہے۔ افسوس کہ باقی جلدیں مولانا شاہ محمود احمد قادری مؤلف "تذکرہ علماء اہلِ سُنت" حضرت ملک العلماء کے صاحبزادہ صاحب سے لے گئے تھے جو تاحال شائع نہیں ہوئی۔

جناب سیّد صابر حسین شاہ بخاری، ناظم امامِ اہلسنّت لائبریری، برہان ضلع اٹک،

پنجاب ''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' کی مکمل اشاعت کے بارے میں ملک العلماء علامہ محمد ظفر الدین رضوی بہاری کے لختِ جگر ڈاکٹر مختار الدین احمد اور (وائس چانسلر مولانا مظہر الحق عربی فارسی، یونیورسٹی، پٹنہ، ہندوستان) سے یوں استفسار کرتے ہیں:

''حیاتِ اعلیٰ حضرت کی باقی جلدیں بھی آپ نے چھپوانے کا وعدہ کیا تھا لیکن ــــ نہ چھپ سکیں۔ آخر یہ باقی جلدیں کہاں گئیں ــــ انہیں زمین کھا گئی یا آسمان! آخر ماجرا کیا ہے؟''

پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین احمد صاحب ان کے جواب میں لکھتے ہیں:

''ماجرا یہ ہے کہ اس کتاب کے مصنف ملک العلماء حضرت علامہ محمد ظفر الدین قادری رضوی رحمہ اللہ تعالیٰ (متوفی ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء) نے برسوں کی محنت کے بعد ''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' چار جلدوں میں (۱۳۶۹ھ/۱۹۳۸ء) میں مرتب کی۔ پہلی اور دوسری جلد کا مسودہ انہوں نے مولانا سیّد ایوب علی رضوی بریلوی کو (اشاعت کے لئے) کراچی بھیجا۔ انہوں نے پہلی جلد مکتبہ رضویہ، کراچی سے جولائی ۱۹۵۵ء میں شائع کی۔ پھر اس کو آپ (پیرزادہ اقبال احمد فاروقی) نے اپنے اہتمام میں تین حصّوں میں مرکزی مجلسِ رضا، لاہور سے ۱۹۹۲ء میں دوبارہ چھاپ کر عام کیا۔ دوسری جلد کے بارے میں مولانا سیّد ایوب علی مرحوم نے قلتِ وسائل کا شکوہ کیا، اور لکھا کہ ''پہلی جلد کی آمدنی سے دوسری اور اِسی طرح ساری جلدیں چھاپ دی جائیں گی۔'' غالباً سُنیوں اور رضویوں کی بے حسی اور عدمِ دلچسپی کی بنا پر سیّد صاحب کے پاس اتنا سرمایہ کبھی جمع نہ ہو سکا کہ وہ دوسری جلد کی اشاعت کا بیڑا اُٹھا سکتے۔ کچھ دنوں بعد سیّد صاحب کا وصال ہو گیا۔ اُن دنوں ''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' پاکستان میں نہ چھپ سکی تو ہندوستان میں کیا چھپتی۔

کوئی تیس برس ہوئے، ایک رات مولانا مفتی محمود احمد قادری (بغیر کسی

سابقہ تعارف کے) علی گڑھ کے ایک سنی عالم اور طبیب حاذق جناب پروفیسر حکیم خلیل احمد صاحب جائسی (اِستاد طیبہ کالج، مسلم یونیورسٹی) کو ساتھ لے کر مجھ سے ملنے آئے۔ تعارف ہوا تو معلوم ہوا سنی رضوی عالم ہیں۔ حضرت حجۃ الاسلام کے شاگرد ہیں، مدرسہ منظر اسلام بریلی کے تعلیم یافتہ ہیں اور مشہور عالم مولانا مفتی شاہ رفاقت حسین (استاد مدرسہ کانپور) کے صاحبزادے ہیں۔ ان کی زیر تالیف کتاب ''تذکرہ علماء اہلسنّت'' کا بھی ذکر سن رکھا تھا۔ انہوں نے فرمایا: ''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' کا مسوّدہ دیکھنا چاہتا ہوں۔'' انہیں دکھایا گیا۔ پھر انہوں نے کہا: ''آپ کی اجازت ہو تو میں اِسے شائع کر دوں''۔ حکیم صاحب نے ان کی تائید بلکہ سفارش کی۔ میں نے کہا: ''سبحان اللہ! اس سے اچھی بات اور کیا ہوگی کہ یہ سوانح عمری زیور طبع سے آراستہ ہو جائے''۔ میں نے مشورہ دیا کہ: ''پہلی جلد چھپ چکی ہے اُسے فی الحال نہ چھاپئے، دوسری جلد شائع کیجئے'' اور اُس کا مسوّدہ وہ مجھ سے لے گئے۔ کچھ دنوں کے بعد اُن کا خط آیا کہ ''سلسلہ کلام دیکھنے کے لئے اور جلدوں کی ضرورت ہوگی''۔ چنانچہ کتاب کی چاروں جلدوں کا مسوّدہ اُن کے حوالے کر دیا۔ انہوں نے میرا مشورہ نہ مان کر پہلی جلد کی کتابت شروع کروا دی۔ چھوٹی تقطیع کے ۶۶ صفحوں کے پروف میری نظر سے گزرے تھے۔ پھر معلوم نہیں کیا آفت بے چارے پر پڑی کہ اُس کی طباعت رک گئی۔ اُس زمانے میں برابر اُن سے خط و کتابت ہوتی رہی۔ پھر آہستہ آہستہ کم ہو گئی۔ برسوں کے بعد انہوں نے اطلاع دی: ''اِس کی کتابت کانپور میں ہو رہی ہے''۔ مدت گزر گئی کتابت نے طباعت کی شکل نہیں دیکھی۔ استفسار حال کیا، جواب نہ آیا۔ خطوط لکھتا رہا جواب میں خاموشی رہی۔ پھر دہلی کے ایک رسالے میں اعلان ہوا کہ ''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' پٹنہ سے چھپ رہی ہے۔'' برسوں گزر گئے کتاب

غیر شائع شدہ رہی۔ مولانا مفتی محمود میاں عالم ہیں، مفتی ہیں، پیر ہیں، اس سے بڑھ کر یہ کہ "حامدی" ہیں۔ ضرور چاہتے ہوں گے کہ یہ کتاب چھپ کر پھیلے۔ اس خیال سے کہ مالی حالات اچھے نہ ہوں اور کتاب کی اشاعت کا بوجھ نہ اُٹھا سکتے ہوں، عرض کیا گیا کہ کوئی بات نہیں، مسوّدہ واپس بھیج دیں۔ یہ درخواست قابلِ اعتنا نہ ہوئی۔

پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد، کراچی سے، آپ (پیرزادہ اقبال احمد فاروقی) لاہور سے اور کئی اصحاب پاک و ہند، اِس کی اشاعت کے لئے تیار ہوئے اور مسوّدے کے بدلے اُن کو رقم دینے کے لئے بھی تیار ہوئے لیکن مفتی صاحب نے توجہ نہیں فرمائی۔ چاہتے ہوں گے کہ جب مسوّدہ مجھ سے مانگ کر وہ لے گئے ہیں تو شائع بھی وہی کریں۔ یہ تکلّف محض ہے۔ انہیں اندازہ نہیں سُنّیوں کا کس قدر نقصان انہوں نے کیا ہے۔ تیس سال پہلے یہ کتاب چھپ جاتی تو اب تک اُس کے متعدد ایڈیشن نکل گئے ہوتے اور علمی دنیا چودھویں صدی ہجری کے ایک مقتدر عالم اور بے مثال مصنّف سے کماحقہٗ واقف ہوتی۔

حکیم خلیل احمد اور مولانا ارشد القادری نے مسوّدے کی واپسی کی بہت کوشش کی، کامیابی نہیں ہوئی۔ کئی سال ہوئے میرے ایک عزیز نسیم الحق (ایگزیکٹو انجینئر، بہار) مفتی محمود احمد کے گاؤں (بھوانی پور، مظفر پور) جا کر رمضان کے زمانے میں صبح سے شام تک ان کے گھر ملاقات کے لئے بیٹھے رہے۔ عصر کے بعد گھر سے رقعہ آیا کہ:

"میری طبیعت علیل ہے۔ اگر آپ لوگ "حیاتِ اعلیٰ حضرت" کے مسودے کے لئے بیٹھے ہیں تو اطلاع دیتا ہوں کہ کتاب کانپور میں چھپ رہی ہے"۔

اِس بات کو بھی دس سال ہو گئے اور ہنوز روز اوّل ہے۔ نسیم الحق صاحب

کے ساتھ بہار کے ایک مستند عالم علی احمد سیوانی بھی تھے۔ اب آپ ''جہانِ رضا'' کے ذریعے علمی اور دینی دنیا کی آواز ان تک پہنچائیں کہ اب وہ براہ کرم سُنّیوں اور رضویوں پر کرم فرما کر مسوّدہ مجھے واپس کر دیں یا حکیم محمد موسیٰ امرتسری صاحب کو یا آپ کو یا پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد صاحب کو بحفاظتِ تمام بھیج دیں۔ سارے سُنی رضوی بھائی اُن کے شکرگزار ہوں گے۔ ۳۰ سال تک میں خاموش رہا اور اِس بات کا منتظر رہا کہ مفتی صاحب اپنے فرائض کا احساس کریں گے اور یا تو وہ کتاب شائع کریں گے یا مسوّدہ واپس کر دیں گے۔ لیکن آج سیّد صابر حسین شاہ صاحب کی مندرجہ بالا سطریں (''جہانِ رضا'' شمارہ جولائی ۹۸ء صفحہ ۱۰) اور اِسی رسالے کے اگست ۹۸ء کے شمارے صفحہ نمبر ۱۹ میں آپ کے نام صاحبزادہ محمد الیاس قادری فاضلی صاحب (ملکوال، گجرات) کے مکتوبِ گرامی کی یہ عبارت دیکھ کر یارائے صبر نہ رہا۔ جس میں وہ تحریر فرماتے ہیں:

''چند سال پیشتر آپ نے ''حیاتِ اعلیٰ حضرت'' ۸ حصّوں میں مرکزی مجلس رضا، لاہور کی جانب سے طبع کروانے کا اعلان فرمایا تھا جس میں تین حصے پہلی جلد کے ملے باقی کیا ہوئے۔ غالباً انڈیا کے کسی مفتی نے تین حصے دبائے ہوئے ہیں۔ افسوس صد افسوس کہ کسی نے اُس سے واپس لینے کی ہمت نہیں کی اور تو اور پروفیسر مختار الدین احمد آرزو صاحب قبلہ بھی بے بس نظر آتے ہیں اور بریلی شریف والے بھی خاموش ہیں۔ کیا وہ مفتی اتنا طاقتور ہے؟ کیا کوئی ہمت والا اُس سے کتاب بازیافت نہیں کروا سکتا۔ کسی اداریئے میں اِس مسئلے پر بحث فرمائیں اور اچھی طرح فرمائیں۔''

صاحبزادہ صاحب کی یہ سطریں پڑھ کر ضبط کا بند ٹوٹ گیا اور یہ سرگزشت آپ کو لکھ دی کہ آپ صورتحال سے واقف ہو جائیں۔ مفتی صاحب کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ کبھی کبھی وعظ و نصیحت، تبلیغ و ارشاد کے لئے اپنے

وطن سے باہر تشریف لے جاتے ہیں۔ لیکن زیادہ تر اپنے وطن مالوف (خانقاہ قادریہ اشرفیہ بھوانی پور، ضلع مظفر پور، بہار ہندوستان) میں مقیم رہتے ہیں۔ انہیں خطوط لکھواتے رہیۓ اور اُن کے لئے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اِس بات کی توفیق دے کہ وہ مسوّدہ واپس کر دیں۔ میں ان کا بہت شکرگزار ہوں گا۔

علامہ ارشد القادری نے ایک ملاقات میں مجھ سے فرمایا تھا کہ اس کا بھی امکان ہے کہ "حیاتِ اعلیٰ حضرت" مصنفہ ملک العلماء فاضل بہار حضرت علامہ ظفرالدین قادری رضوی کچھ دنوں بعد کسی اور نام سے شائع ہو جائے۔ کتاب کے چاروں حصّوں میں "حصہ دوم" اِس لحاظ سے سب سے اہم ہے کہ اُس میں تصانیفِ اعلیٰ حضرت کا مفصل ذکر ہے۔ جن کتابوں سے ہم لوگ واقف نہیں ہیں بلکہ جن کے نام بھی ہم نے نہیں سنے ہیں، توقع ہے کہ اِس حصے میں ایسی نادر کتابوں کا ذکر ہوگا۔

کراچی کے اہلِ علم کے لئے خوشخبری یہ ہے کہ "حیاتِ اعلیٰ حضرت" حصّہ دوم کا ایک نسخہ بہ خط مصنف مولانا سیّد ایوب علی رضوی کے خانوادے میں کہیں دبا ہوا ہے، مل کر علماء نے یہ حصّہ اشاعت کے لئے انہیں بھیجا تھا۔ اُس کی رجسٹری کی رسید میرے پاس موجود ہے۔ احباب سے التماس ہے کہ سیّد صاحب کے خانوادے سے جو کراچی میں ہیں، رابطہ کر کے مسودے کا پتہ چلائیں۔ پروفیسر مسعود احمد صاحب اور ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی کے سیکرٹری جنرل پروفیسر مجید اللہ قادری خاص طور پر توجہ فرمائیں۔

میرے پاس مفتی محمود احمد قادری صاحب کے سارے خطوط محفوظ ہیں۔ ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کس ذوق وشوق سے انہوں نے اس کتاب کی اشاعت کا بیڑا اُٹھایا تھا۔ پھر کیا ہوا کہ انہوں نے سخت سرد مہری اختیار

کرلی۔ بہر حال اللہ تعالیٰ مقلب القلوب ہے۔ ہمیں توقع رکھنی چاہئے کہ کسی دن مسوّدہ واپس آئے گا اور ان شاء اللہ پوری کتاب شائع ہوگی، اسی طرح جس طرح ملک العلماء نے لکھی تھی۔"[۱۱]

اہلسنّت و جماعت کا یہ اجتماعی فریضہ ہے کہ حیات امام احمد رضا خاں بریلوی کے اس بنیادی مآخذ کو مولانا شاہ محمود احمد قادری سے حاصل کر کے منظر عام پر لائیں، جس طرح بھی ممکن ہو۔[۱۲]

۱۱- "مشرقی کا غلط مسلک":

عنایت اللہ مشرقی کے رسالہ "مولوی کا غلط مذہب نمبر۹" کے جواب میں لکھا، جس میں اُن کے اس دعوے کا علمی انداز میں جواب دیا گیا کہ متحدہ ہندوستان کی تمام مسجدوں کی سمت قبلہ غلط ہے۔

۱۲- "المجمل المعدد لتالیفات المجدد، (۱۳۲۷ھ)

سن مذکور تک امام احمد رضا خاں بریلوی کی لکھی ہوئی ساڑھے تین سو تصانیف کا تعارف، اس کے بعد سینکڑوں چھوٹی بڑی تصانیف اُن کے قلم سے تیار ہوئیں۔

۱۳- "الجواہر والیواقیت" (۱۳۳۰ھ)

طلوع و غرب، نصف النہار، ضحوۂ کبریٰ، وقتِ عصر، ضربِ ستینی، کسورِ اعشاریہ، حبیب لوگارثمی وغیرہ اہم مسائل آسان زبان میں بیان کئے ہیں۔ افسوس کہ اس ضروری علم کے جاننے والے اِس وقت ہمارے ہاں خال خال رہ گئے ہیں۔

۱۴- "جواہر البیان" (۱۳۳۳ھ)

علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ کی بابرکت کتاب "الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان" کا اردو ترجمہ (تذکرہ)

۱۵- "نصرۃ الاصحاب باقسام ایصال الثواب" (۱۳۵۴ھ)

فقہ کی یہ کتاب بہار کے مشہور اہلِ قرآن عالم سیّد محی الدین تمنا عمادی کے درج ذیل سوالات کے جواب میں لکھی گئی:

۱- ایصالِ ثواب کا کوئی طریقہ قرآن پاک میں بتایا گیا ہے یا نہیں؟
۲- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور خلفائے راشدین کے عہد میں ایصالِ ثواب کا کوئی دستور تھا یا نہیں؟
۳- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عہد مبارک میں اہلِ بیت اور صحابہ کرام جو وفات پاتے گئے، ان کے لئے آپ نے یا آپ کے حکم سے صحابہ یا اہلِ بیت نے کبھی ایصالِ ثواب کیا یا نہیں؟ اگر کیا تو کس طریقے سے؟ پھر ایک بار کیا یا بار بار؟
۴- فقہ حنفی میں ایصالِ ثواب کا طریقہ لکھا ہے یا نہیں؟ خود حضرت امام اعظم اور صاحبین رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے کوئی روایت منقول ہے یا نہیں؟

اِن سوالات کے جواب میں حضرت ملک العلماء نے ایک مبسوط کتاب سپردِ قلم فرمائی اور ہر سوال کا تسلی بخش جواب دیا۔ حال ہی میں یہ کتاب انجمن نوجوانانِ اہلِ سُنت، بھاٹی دروازہ، لاہور کی طرف سے شائع ہوئی ہے۔

۱۶- ''چودھویں صدی کے مجدد'' (۱۳۶۷ھ)

تیرہ صدیوں کے مجددین کی فہرست اور چودھویں صدی کے مجدد امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا تفصیلی تذکرہ وتعارف۔[۱۱]

حضرت ملک العلماء کی تصانیف کی فہرست میں سے چند منتخب کتب کا ذکر کیا گیا ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ اُن کی تمام تصانیف ہی منتخب ہیں۔

صحیح البہاری

پاک وہند بلکہ دیگر بلادِ اسلامیہ میں عام طور پر صحاحِ ستہ، مشکوٰۃ شریف اور ''بلوغ المرام''، ''اربعین نووی'' وغیرہ کتب پڑھائی جاتی ہیں۔ اِن کتابوں میں عموماً اور بالقصد وہی احادیث درج کی گئی ہیں جو مذہب شافعی کی تائید کرتی ہیں۔

صدیوں تک ہندوستان میں شافعی علماء کے تیار کردہ احادیث کے مجموعے ہی پڑھائے جاتے رہے۔ بالآخر علماء احناف کی توجہ بھی ان احادیث کے جمع اور مرتّب کرنے کی طرف ہوئی جو احناف کی دلیلیں ہیں۔

○ ——شیخِ محقق حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ (م-۱۰۵۲ھ) نے "فتح المنان فی تائید مذهب النعمان" کے نام سے ایک مجموعۂ احادیث مرتّب کیا جن سے آئمہ احناف نے استدلال کیا ہے۔ اِس کے بعد علامہ سیّد مرتضیٰ زبیدی (م-۱۲۰۵ھ) نے "عقود الجواهر المنيفة في ادلة الامام ابی حنيفه" لکھی۔

○ ——ان کے بعد علامہ ظہیر احسن شوق نیموی بہاری (م-۱۳۲۲ھ) نے ایک مجموعہ احادیث "آثارُ السنن" کے نام سے مرتّب کیا لیکن یہ کتاب مکمل نہ ہو سکی اور "باب فی زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" پر ختم ہوگئی۔

○ ——ملک العلماء نے احادیث شریفہ کا ایسا مجموعہ تیار کرنے کا پروگرام بنایا جس میں وہ احادیث جمع کردی جائیں جن سے مسلک اہلِ سُنّت و جماعت اور مذہب حنفی میں استدلال کیا جاتا ہے۔ ان کا منصوبہ فقہی ابواب کی ترتیب کے مطابق چھ جلدوں میں کتاب مکمل کرنے کا تھا۔ ترتیب اِس طرح رکھنا چاہتے تھے:

۱- کتاب العقائد

۲- کتاب الطہارۃ، کتاب الصلوٰۃ

۳- کتاب الزکوٰۃ، کتاب الحج، کتاب الصوم

۴- کتاب النکاح تا کتاب الوقف

۵- کتاب البیوع تا کتاب الغصب

۶- کتاب الشفعہ تا کتاب الفرائض

پہلے دوسری جلد کی اشاعت کا منصوبہ بنایا گیا۔ یہ جلد ۹۶۰ صفحات اور ۹۲۸۷ احادیث پر مشتمل تھی اور چار حصّوں میں شائع کی گئی۔[۱۱] اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ

اگر کتاب مکمل ہوتی تو پچاس ہزار سے زیادہ احادیث پر مشتمل ہوتی ــــ ۱۹۲۲ء میں ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں ریٹائرڈ پروفیسر حیدر آباد یونیورسٹی، سندھ نے اسی جلد کا فوٹو لے کر اشاعت کی۔ پہلی جلد جو عقائد پر مشتمل ہے، اُس کی فوٹو کاپی جناب ڈاکٹر مختار الدین احمد مدظلہ نے جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور میں بھجوائی۔ اِس جلد پر تخریج اور تکمیل کا کام جناب محترم مولانا محمد عباس رضوی (گوجرانوالہ) انجام دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کی اشاعت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

حضرت مفتی اعظم پاکستان علامہ ابوالبرکات سیّد احمد قادری رحمہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں سنا کہ وہ فرماتے تھے:

"ملک العلماء نے امام احمد رضا خاں بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصانیف سے احادیث مبارکہ لے کر انہیں ابواب فقہیہ کے مطابق مرتب کیا، اور حدیث کی دیگر کتابوں سے بھی استفادہ کیا۔"

اِس کی تائید "صحیح البہاری" کی پہلی جلد کے مطالعہ سے ہوتی ہے۔ ملک العلماء نے امام احمد رضا خاں بریلوی کی اُن تصانیف کی نشاندہی کی ہوئی ہے جن سے انہوں نے احادیث حاصل کی ہیں۔ امام احمد رضا خاں بریلوی نے اگر کسی حدیث کے راوی صحابی کا ذکر نہیں کیا تو اُس کتاب میں صحابی کے نام کی جگہ خالی چھوڑی ہوئی ہے اور اگر اس کے مآخذ کا ذکر نہیں کیا تو اُس میں مآخذ کی جگہ خالی چھوڑی ہوئی ہے۔ اِسی خلاء کو مولانا محمد عباس رضوی پُر کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

اس کتاب کو موافق و مخالف علمی حلقوں میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا گیا۔

سیّد شاہ محی الدین، سجادہ نشین درگاہ مجیبیہ، پھلواری شریف لکھتے ہیں:

"بحمداللہ یہ تصنیف مذہب حنفیہ پر اغیار کے اِس غلط الزام کا کہ یہ لوگ اقوال منصوصہ کو چھوڑ کر اقوالِ امام اعظم پر عمل کرتے ہیں بہت کافی وشافی جواب ہوگی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔"[۵۹]

ماہنامہ "معارف" اعظم گڑھ نے شمارہ جولائی ۱۹۳۲ء میں تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

''جامع الرضوی معروف بہ صحیح البہاری'' کے نام سے حدیث کا ایک ضخیم مجموعہ مذہب حنفی کو سامنے رکھ کر تیار کیا ہے جو فقہی ابواب کی ترتیب پر چھ جلدوں میں تقسیم ہے ـــــ اس کی ابتداء میں فن حدیث پر حنفی نقطہ نظر سے ایک بسیط مقدمہ لکھا گیا ہے۔ یہ علم حدیث وفقہ کی ایک مفید خدمت انجام دی گئی ہے۔''[۱۶]

''اخبار اہلِ حدیث'' امرتسر نے ۲۹ جولائی ۱۹۳۳ء کے شمارے میں لکھا:

''صحیح البہاری'' یہ حدیث کی ایک جدید کتاب جو ایک حنفی عالم نے تخریج زیلعی وغیرہ سے ماخوذ کر کے لکھی ہے ـــــ ہمارے خیال میں حنفیہ کرام میں احادیث کا رواج ہونے سے حنفی، اہلحدیث میں جو خلیج ہے، وہ کم ہو جائے گی، اِس لئے فاضل مؤلف کی محنت قابلِ داد ہے۔''[۱۷]

اس جگہ محدثِ دکن حضرت مولانا سیّد ابوالحسنات عبداللہ شاہ نقشبندی قادری رحمہ اللہ تعالیٰ (م-۱۸ ربیع الثانی مطابق ۱۳۸۴ھ/ ۲۷ اگست ۱۹۸۴ء) کی تصنیف لطیف ''زجاجۃ المصابیح'' کا تذکرہ فائدے سے خالی نہیں۔ یہ کتاب پانچ جلدوں پر مشتمل اور احناف کے لئے مشکوۃ المصابیح کے متبادل بہترین ذخیرۂ احادیث ہے۔ مشکوٰۃ شریف مذہب شافعیہ کے مطابق مرتب کی گئی ہے اور ''زجاجہ'' میں مذہب حنفی کے دلائل جمع کر دیئے گئے ہیں۔ یہ کتاب پاک و ہند میں چھپ کر مقبولیت حاصل کر چکی ہے۔ مولانا حافظ محمد شاہد اقبال کی نگرانی میں اردو ترجمہ کے ساتھ فرید بک سٹال، لاہور کی طرف سے چھپ رہی ہے۔ ضرورت اِس امر کی ہے کہ اِسے دینی مدارس کے نصاب میں شامل کیا جائے۔

حوالہ جات

۱؎ محمود احمد قادری، مولانا: تذکرہ علماء اہلِ سنّت (طبع فیص آباد) ص ۱۲-۱۱۰
۲؎ مختار الدین احمد، ڈاکٹر: حیات ملک العلماء، ص ۱۴
۳؎ مختار الدین احمد، ڈاکٹر: حیات ملک العلماء، مطبوعہ ادارہ معارف نعمانیہ، لاہور، ص ۸
۴؎ محمد ظفر الدین قادری، ملک العلماء: الجواہر والیواقیت طبع مراد آباد، ص ۲۶
۵؎ ایضاً: صحیح البہاری (طبع اکبر آباد) ج ۲، ص ۳
۶؎ محمد ظفر الدین بہاری، ملک العلماء: الجواہر والیواقیت، ص ۹۰-۱۸۹
۷؎ ایضاً: ص ۲۱۹
۸؎ ایضاً: ص ۲۰۶
۹؎ محمود احمد قادری، مولانا شاہ: تذکرہ علمائے اہلِ سنّت ص ۲۱-۱۱۱
۱۰؎ مختار الدین احمد، ڈاکٹر: حیات ملک العلماء، ص ۱۶
۱۱؎ بحوالہ ماہنامہ "جہانِ رضا" لاہور، اکتوبر نومبر ۹۸ء
۱۲؎ کچھ عرصہ قبل یہ کتاب، بھارت سے اور پاکستان میں مکتبہ نبویہ، لاہور سے شائع ہوگئی ہے۔ طاہر
۱۳؎ مختار الدین احمد، ڈاکٹر: حیات ملک العلماء مطبوعہ ادارہ معارف نعمانیہ، لاہور، ص ۳۸-۱۷
۱۴؎ مختار الدین احمد، ڈاکٹر: حیات ملک العلماء، ص ۳۹-۳۸
۱۵؎ صحیح البہاری (طبع پٹنہ عظیم آباد) ضمیمہ ج ۲، ص ۱
۱۶؎ ایضاً ص ۳
۱۷؎ مختار الدین احمد، ڈاکٹر، حیات ملک العلماء، ص ۳

مبلّغِ اسلام حضرت مولانا

شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی میرٹھی قدس سرہٗ العزیز

ولادتِ باسعادت:

محسنِ ملّت، نازشِ اہلسنّت، مبلّغِ اسلام حضرت مولانا شاہ محمد عبدالعلیم صدیقی میرٹھی ابن حضرت مولانا محمد عبدالحکیم قدس سرہما ۱۵/رمضان المبارک، ۳/ اپریل (۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ء) کو میرٹھ (یو۔پی) میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والدِ ماجد عظیم المرتبت درویش صفت عالمِ دین اور بلند پایہ شاعر تھے۔ جوشؔ تخلص کرتے تھے۔

تحصیل علوم:

ابتدائی تعلیم گھر پر ہی حاصل کی۔ چار سال دس ماہ کی عمر میں قرآنِ پاک پڑھ لیا۔ اردو، فارسی اور عربی کی ابتدائی تعلیم والدِ گرامی سے حاصل کی۔ بعدازاں جامعہ قومیہ، میرٹھ میں داخل ہوئے اور سولہ سال کی عمر میں درسِ نظامی کی سند حاصل کی۔

آپ کو چونکہ شروع سے ہی تبلیغِ اسلام کا شوق تھا اس لئے علومِ جدیدہ حاصل کرنے کے لئے اٹاوہ ہائی سکول سے میٹرک پاس کیا، اور پھر ڈویژنل کالج میرٹھ میں داخل لیا۔ ۱۹۱۷ء میں بی اے کا امتحان امتیازی حیثیت سے پاس کیا۔ کالج کی چھٹیوں کے دنوں میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کی خدمت میں بریلی شریف حاضر ہوکر اکتسابِ فیض کرتے رہے۔

میرٹھ کالج کی تعلیم کے دوران آپ کو آل برما ایجوکیشنل کانفرنس کا صدر منتخب کیا گیا۔ اِس کانفرنس میں آپ نے جو خطبہ دیا وہ برما اور سیلون میں مقبول عام ہوا اور برما کے احباب سے دینی نشرواشاعت پر آپ کی جو گفتگو ہوئی وہ مستقبل کے تبلیغی مشن کے

لئے بنیاد ثابت ہوئی۔

بیعت وارادت:

آپ اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سُنّت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور خلافت واجازت سے سرفراز ہوئے اور انہی کے ایماء وارشاد پر اپنی زندگی تبلیغِ دین اور خدمتِ اسلام کے لئے وقف کر دی اور اپنے نجی خرچ پر پیغامِ اسلام دنیا کے کونے کونے میں پہنچایا۔ محسنِ ملّت امامِ اہلِ سُنّت آپ کو بڑی قدرو منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اپنے تلامذہ اور خلفاء کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

عبدِ علیم کے علم کو سُن کر جہل کی بہل بھگاتے یہ ہیں [1]

حضرت مولانا صدیقی قدس سرہٗ کو اپنے شیخِ طریقت سے کمال عقیدت تھی۔ حرمین طیبین کی زیارت سے واپسی پر آپ نے ایک طویل قصیدہ مدحیہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ کی خدمت میں پیش کیا جس کے چند اشعار درج ذیل ہیں:

تمہاری شان میں جو کچھ کہوں اُس سے سوا تم ہو
قسیم جامِ عرفاں اے شہِ احمد رضا تم ہو
غریقِ بحرِ اُلفت، مستِ جامِ بادۂ وحدت
محبّ خاص، منظورِ حبیبِ کبریا تم ہو
جو مرکز ہے شریعت کا ، مدار اہلِ طریقت کا
جو محور ہے حقیقت کا وہ قطب الاولیاء تم ہو
عرب میں جا کے اِن آنکھوں نے دیکھا جس کی صولت کو
عجم کے واسطے لاریب وہ قبلہ نما تم ہو
تمہیں پھیلا رہے ہو علمِ حق اکناف عالم میں
امامِ اہلِ سُنّت ، نائبِ غوث الوریٰ تم ہو

علیمِ خستہ اِک ادنیٰ گدا ہے آستانہ کا
کرم فرمانے والے حال پر اُس کے شہا تم ہو

جب یہ اشعار سنا چکے تو امامِ اہلِ سُنّت نے اپنے قیمتی عمامہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

''مولانا! آپ کی خدمت میں کیا پیش کروں؟ آپ اُس دیارِ پاک سے تشریف لا رہے ہیں، یہ عمامہ تو آپ کے قدموں کے بھی لائق نہیں، البتہ میرے کپڑوں میں سب سے بیش قیمت ایک جبہ ہے وہ حاضر کیے دیتا ہوں۔''[۱۲]

اس واقعہ اور مندرجہ بالا قصیدے کو غور سے پڑھیے اور دیکھیے کہ آج کل وہ خلوص ومحبت کہاں جوان مقدس ہستیوں کا طرۂ امتیاز تھا۔

تبلیغی خدمات:

حضرت مولانا محمد عبدالعلیم صدیقی شعلہ بیان خطیب، بلند پایہ ادیب اور عظیم مفکرِ اسلام تھے۔ جب آپ اپنی نغمہ ریز آواز میں دلائل و براہین سے اسلام کی حقانیت بیان کرتے تو حاضرین پر سکوت چھا جاتا اور بڑے بڑے سائنسدان، فلاسفر اور دہریہ قسم کے لوگ آپ کے دستِ اقدس پر حلقہ بگوش اسلام ہو جاتے۔ آپ تقریباً دنیا کی ہر زبان میں اِس روانی سے تقریر کرتے تھے کہ خود اہلِ لسان ورطۂ حیرت میں رہ جاتے۔ آپ نے پوری قوت اور بے باکی سے دینِ فطرت اسلام کا پیغام دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچایا، جس کے نتیجے میں پچاس ہزار سے زائد غیر مسلم مشرف بہ اسلام ہوئے۔ یہ وہ ناقابلِ فراموش کارنامہ ہے جو آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔

۱۹۵۱ء میں آپ نے پوری دنیا کا تبلیغی دورہ کیا جس میں قابلِ ذکر ممالک انگلستان، فرانس، اٹلی، برٹش گیانا، مڈغاسکر، سعودی عرب، ٹرینی ڈاڈ، امریکہ، کینیڈا، فلپائن، سنگاپور، ملائیشیا، تھائی لینڈ، انڈونیشیا اور سیلون تھے۔ اس کے علاوہ برما، سیلون، ملائیشیا، انڈونیشیا، تھائی لینڈ، انڈوچائنا، چین، جاپان، ماریشس، جنوبی و مشرقی افریقہ کی نو

آبادیات، سعودی عرب، عراق، اُردن، فلسطین، شام اور مصر کے متعدد تبلیغی دورے کیئے۔ تمام مذاہب کے لوگوں کو دعوتِ اسلام دی اور کئی زبانوں میں اسلام کا لٹریچر شائع کیا۔ آپ کی تبلیغی کوششوں سے بورنیو کی شہزادی

(Her Highness Princess Gladys Palmer Khairunniss of Sarawark Staateborneo)

ماریشس جنوبی افریقہ کے فرانسیسی گورنر مروات:

(Governor Merwate Tifefrnch Statesman).

اور ٹرینی ڈاڈ کی ایک خاتون وزیر:

(Murifi Donawa Fatima)

مشرف بہ اسلام ہوئے۔

بانی پاکستان قائدِاعظم محمد علی جناح، مراکش کے غازی عبدالکریم، فلسطین کے مفتی اعظم سیّد امین الحسینی، اخوان المسلمین کے سربراہ حسن البناء، سیلون کے آنریبل جسٹس ایم مروانی، کولمبو کے جسٹس ایم۔ ٹی۔ اکبر، سنگاپور کے ایس۔ این۔ دت اور مشہور انگریز ڈرامہ نویس اور فلسفی جارج برناڈ شا آپ کی علمی و روحانی شخصیّت سے بے حد متاثر تھے۔

جارج برناڈ شا سے ملاقات:

۱۷ اپریل ۱۹۳۵ء کو ممباسا (جنوبی افریقہ) میں جارج برناڈ شا سے آپ کی ملاقات ہوئی۔ آپ نے برناڈ شا کے مختلف سوالات کے جوابات اِس انداز سے دیئے کہ دنیا کا عظیم فلاسفر آپ کے سامنے طفلِ مکتب نظر آنے لگا۔ آپ نے اسلام اور عیسائیت کے اُصولوں کا تقابلی جائزہ تاریخ، سائنس اور فلسفہ کی روشنی میں اِس طرح بیان کیا کہ برناڈ شا کو اسلام کی عظمت کا اعتراف کرنا پڑا۔ اس گفتگو کا اردو ترجمہ ماہنامہ ترجمان اہلسنّت، کراچی شمارہ محرم و صفر ۱۳۹۲ھ میں شائع ہو چکا ہے۔

مساجد و تبلیغی اداروں کا قیام:

حضرت مولانا صدیقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تعلیمات اسلامیہ کو عام کرنے کے لئے ہر پہلو پر توجہ دی۔ متعدد مساجد تعمیر کرائیں جن میں سے حنفی جامع مسجد کولمبو، سلطان مسجد سنگاپور اور مسجد ناگریا، جاپان زیادہ مشہور ہیں۔ اِس کے علاوہ عربی یونیورسٹی ملایا، پاکستان نیوز مسلم ڈائجسٹ، ٹرینی ڈاڈ، مسلم اینوول (جنوبی افریقہ) کی بنیاد آپ ہی نے قائم کی۔ ۱۹۴۹ء میں سنگاپور میں "تنظیم بین المذاہب" کے نام سے ایک ادارے کی بنیاد ڈالی اور تمام دنیا کے عیسائی، یہودی، بدھ مت اور سکھ مذاہب کے پیشواؤں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر کے لادینیت کا قلع قمع کرنے کی اپیل کی۔ تمام مذاہب کے رہنماؤں کی اس مشترکہ کانفرنس میں آپ کو ہزاکز لٹیڈ ایمی نینس (His Exaited Eiminunce) کا خطاب دیا گیا، نیز مصر میں "تنظیم بین المذاہب الاسلامیہ" کے نام سے مختلف مکاتبِ فکر کی ایک تنظیم قائم کی۔

حجاج کی سہولتوں کے لئے مساعی:

۱۳۶۵ھ/۱۹۴۶ء میں حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی قدس سرہٗ رابطہ اسلامیہ ہند کے رئیسِ وفد اور ملایا، شرقی و جنوبی افریقہ اور جزائر شرقیہ کے مندوب کی حیثیت سے سعودی عرب تشریف لے گئے اور سعودی حکومت کی طرف سے حجاج پر عائد کردہ ٹیکسوں کے خاتمہ اور حجاج کے لئے سہولتیں فراہم کرنے کے لئے دنیا بھر سے آئے ہوئے اجلّہ علماء، حکومت سعودیہ کے عمائدین اور عبدالعزیز بن سعود سے مذاکرات کئے۔ جن کا خاصا اثر ہوا۔ اِن مذاکرات کی تفصیل "البیان" کے نام سے عربی مین شائع ہوئی تھی جس کے آغاز میں اخوان المسلمین (مصر) کے بانی حسن البناء نے ابتدائیہ لکھا اور حضرت مولانا شاہ محمد عبدالعلیم قدس سرہٗ کی مساعیٔ جمیلہ کو خراج تحسین پیش کیا، چنانچہ لکھتے ہیں:

"کما کان من فضل اللّٰہ و توفیقہٖ اَن التقینا منذ عامین فی

الارض المقدسة وعند البيت العتيق بصاحب الفضيلة والداعية الاسلامی الشیخ محمد عبدالعلیم الصدیقی —— ونحن نسأل اللہ تبارك و تعالٰی ان یجزی الاُستاذ المفضال الشیخ محمد عبدالعلیم الصدیقی عن المسلمین عامة خیر جزاء۔"

"اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے دو سال ہوئے ہماری ملاقات ارضِ مقدس میں بیت اللہ شریف کے پاس صاحبِ فضیلت مبلّغِ اسلام الشیخ محمد عبدالعلیم صدیقی سے ہوئی (کچھ عبارت کے بعد) ہم اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ صاحبِ فضیلت اُستاذ شیخ محمد عبدالعلیم صدیقی کو تمام مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے۔"

سیاسی خدمات:

تبلیغِ اسلام کی قابلِ قدر خدمات کے علاوہ آپ کی سیاسی خدمات بھی ناقابلِ فراموش ہیں۔ دنیا کے کسی گوشے میں مسلمانوں پر ظلم وستم ڈھایا جاتا تو آپ بے چین ہو جاتے۔ تحریکِ خلافت، شدھی تحریک اور تحریکِ پاکستان میں مردانہ وار حصہ لیا۔ صرف پاک و ہند ہی میں نہیں بلکہ دیگر ممالک میں بھی تحریکِ پاکستان کے لئے فضا ہموار کی۔ مصر اور انگلینڈ میں کانگریسی ایجنٹوں سے مناظرے کئے۔ مسلم لیگ کی طرف سے باقاعدہ طور پر علماء کی ایک جماعت کے قائد کی حیثیت سے حج کے موقع پر مکہ مکرمہ جا کر دنیا کے گوشے گوشے سے آئے ہوئے مسلمانوں کے سامنے پاکستان کی اہمیت کو واضح کیا۔ مفتی اعظم فلسطین سید امین الحسینی، حسن البناء قائد اخوان المسلمین، سیّد عبداللہ شاہ (اردن) اور دیگر عرب لیڈروں کو تحریکِ پاکستان سے پوری طرح روشناس کرایا۔

۱۹۴۶ء میں آل انڈیا سنی کانفرنس، بنارس میں شرکت فرمائی اور علی الاعلان تحریکِ پاکستان کی حمایت فرمائی۔ قائداعظم کی وفات سے کچھ عرصہ پہلے عالمی دورے سے واپسی پر کراچی میں عظیم کانفرنس منعقد کی جس میں سندھ، پنجاب اور مشرقی پاکستان کے اکابر علماء و مشائخ نے شرکت کی۔ اس کانفرنس میں پاکستان کے لئے آئین اسلامی کے

جامع دستور کا مسودہ تیار کر لیا گیا۔ علماء نے تائیدی نوٹ لکھے اور حضرت مولانا صدیقی رحمہ اللہ تعالیٰ کی سرکردگی میں قائداعظم کی خدمت میں مسودۂ آئین پیش کیا گیا۔ قائداعظم نے تین گھنٹہ تک مسودۂ آئین کے مختلف پہلوؤں پر گفتگو کی۔ حضرت مولانا نے انہیں اِس خوش اسلوبی سے مطمئن کیا کہ قائداعظم نے یقین دلایا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ قومی اسمبلی کے منظور کرنے پر بہت جلد یہ آئین نافذ کر دیا جائیگا۔ اِس کے بعد جلد ہی ان کی وفات ہوگئی اور قائداعظم علماء کرام سے کیا ہوا یہ وعدہ ایفاء نہ کر سکے۔ یاد رہے کہ پاکستان بننے کے بعد قائداعظم نے پہلی نمازِ عید آپ ہی کی اقتداء میں ادا کی تھی۔

تصانیف:

حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی قدس سرہٗ نے تالیف وتصنیف پر بھی خاطر خواہ توجہ دی اور کثیر التعداد، قابلِ فخر تصانیف کا ذخیرہ یادگار چھوڑا لیکن افسوس اُن میں سے بہت سی تصانیف زیورِ طبع سے آراستہ نہ ہوسکیں اور جو طبع ہوئیں اُن کا شایانِ شان اہتمام نہ کیا گیا۔ چند تصانیف کے نام یہ ہیں:

۱- ذکر حبیب (دو حصے) ۲- کتاب تصوّف

۳- بہارِ شباب (نوجوانوں کی اصلاح کے لئے بہترین کتاب)

۴- احکامِ رمضان (یہ تصانیف اردو میں ہیں)

۵- اسلام کی ابتدائی تعلیمات ۶- اسلام کے اُصول

۷- اسلام اور اشتراکیت ۸- مسائل انسانی کا حل

۹- اسلام میں عورت کے حقوق ۱۰- مکالمہ جارج برناڈ شا

۱۱- مرزائی حقیقت کا اظہار (یہ تصنیفات انگریزی میں ہیں)

سفرِ آخرت:

چالیس سال تک دنیا بھر میں تبلیغِ اسلام کا فریضہ انجام دے کر ۲۲؍ ذوالحجہ ۱۲؍

اگست (۴ ۱۳۷۴ھ/ ۴ ۱۹۵۴ء) کو مدینہ منورہ میں اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے اور تعلیمات اسلامیہ کی تبلیغ و اشاعت کے انعام کے طور پر جنت البقیع میں جگہ ملی۔ اس نابغۂ روزگار ہستی کے وصال سے تاریخِ اسلام کا ایک روشن ورق الٹ گیا۔

آپ کے جانشین:

حضرت مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی قدس سرہٗ کے وصال کے بعد آپ کے محبوب خلیفہ اور داماد حضرت مولانا حافظ ڈاکٹر محمد فضل الرحمٰن انصاری قادری رحمہ اللہ تعالیٰ بین الاقوامی تبلیغی جماعت ''ورلڈ فیڈریشن آف اسلامک مشنز'' کے بانی و صدر اور فرزند ارجمند حضرت مولانا علامہ شاہ احمد نورانی مدظلہ العالی (صدر جمعیت علماء پاکستان) نے نہ صرف حضرت علامہ صدیقی قدس سرہٗ کے مشن کو جاری رکھا بلکہ اُسے آگے بڑھایا۔ حضرت علامہ شاہ احمد نورانی وہ حق گو، بیباک اور مردِ مجاہد ہیں جن کی جرأتِ ایمانی کو موافق و مخالف نے تسلیم کیا ہے۔ ان دنوں پاکستان میں نظامِ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے نفاذ کے لئے تمام تر مساعی کو وقف کئے ہوئے ہیں۔ اللہ ربّ العزت انہیں کامیابی عطا فرمائے۔ ملک و ملت کی بقا و استحکام اور عزت و آبرو کا راز صرف اور صرف آئین اسلام کے عملی نفاذ میں ہے۔[۵]

حوالہ جات

۱۔ احمد رضا بریلوی، امامِ اہلِ سنت: الاستمداد (نوری کتب خانہ، لاہور) ص ۷۹

۲۔ ظفر الدین بہاری، ملک العلماء، مولانا: حیاتِ اعلیٰ حضرت، ج اول: ص ۵۱۔۵۲

۳۔ محمد عبدالعلیم صدیقی، مولانا مبلغِ اسلام: البیان (تمہید) مطبوعہ میرٹھ

۴۔ اس رسالہ کا ترجمہ عربی میں ''مرآۃ'' اور انگریزی میں "Mirror" کے نام سے ہوا۔ (ماہنامہ ترجمان اہلِ سنت کراچی، اگست، ستمبر ۱۹۷۲ء، ص ۱۰۸)

۵۔ ماہنامہ ضیائے حرم، لاہور، شمارہ نومبر ۱۹۷۱ء، مبلغ اسلام حضرت مولانا محمد عبدالعلیم صدیقی

نوٹ: ''البیان'' اور ''یادِ اعلیٰ حضرت'' کے حوالوں کے علاوہ تمام حالات اسی مقالہ سے ماخوذ ہیں۔

فاضل تبحر مولانا محمد عمر الدین ہزاروی

قدس سرۂ العزیز

حبرِ اہلِ سُنّت مولانا عمر الدین ابن مولانا قمر الدین بن علاء الدین بن مراد بخش بن گل محمد کوٹ نجیب اللہ (ہری پور ہزارہ سے چھ میل دور ایک قصبہ) میں پیدا ہوئے، آپ ضلع ہزارہ کے مشہور زمانہ فاضل مولانا فیض عالم مصنف ''وجیز الصراط'' کے چچازاد بھائی تھے آپ کے آباؤ اجداد گجرات کاٹھیاواڑ (بھارت) سے ہزارہ آئے تھے۔

تعلیم و تربیت:

آپ نے ضلع ہزارہ اور بھارت کے مشاہیر سے کسب فیض کیا، اور علم و فضل، تحریر و مناظرہ میں کمال حاصل کیا۔

بیعت و خلافت:

حضرت مولانا تاج الفحول محب رسول مولانا شاہ عبدالقادر قادری بدایونی کے مرید خاص اور خلیفہ تھے[۱]

امام احمد رضا سے روابط:

اعلیٰ حضرت امامِ اہلسنّت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ سے آپ کے نہایت گہرے تعلقات تھے چنانچہ مولانا کی تصنیف ''اہلاک الوہابیین'' پر امامِ اہلسنّت نے مبسوط تقریظ تحریر فرمائی تھی۔

''تحفہ حنفیہ'' کے مقالہ نگار:

مولانا ہزاروی عالی مرتبت مدرّس اور مرجع انام مفتی تھے۔ آپ کے مقالات اہلِ سُنّت کے موقر جریدہ ''تحفیہ حنفیہ'' پٹنہ میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ ماہنامہ ''تحفہ حنیفہ''

مولانا ابوالمساکین ضیاء الدین متوطن پیلی بھیت کی ادارت میں جمادی الاولیٰ ۱۳۱۶ھ کو محلہ لودی کٹرہ پٹنہ میں جاری ہوا، اور عرصۂ دراز تک مسلک اہلِ سُنّت کی ترجمانی پوری بے باکی سے کرتا رہا۔ اِس جریدے میں امام احمد رضا بریلوی، مولانا سلامت اللہ رامپوری، ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری، مولانا عمر الدین ہزاروی وغیرہم اجلہ علماء کے گرانقدر مضامین شائع ہوا کرتے تھے۔

تصانیف وتالیف:

مولانا محمد عمر الدین ہزاروی کثیر التصانیف عالم تھے، ان کی اکثر وبیشتر تالیفات تک رسائی نہیں ہوسکی۔ چند رسائل راقم کی نظر سے گزرے ہیں جن کے نام یہ ہیں:

۱-الاجازہ (جنازہ کے ساتھ ذکر بالجہر کے جواز میں)

۲-اھلاك الوھابیین علی توھین قبور المسلمین۔

۳-فتوے العلماء بتعظیم آثار العلماء۔

۴-فتوی الثقات بجواز سجدۃ الشکر بعد الصلوٰۃ۔

۵-فوز المؤمنین بشفاعۃ الشافعین۔

۶-صیانتہ العباد عن الخضاب بالسواد (۱۳۲۷ھ) ـــــ اس کا قلمی نسخہ کتاب خانہ گنج بخش راولپنڈی میں محفوظ ہے۔

مولانا مرحوم کی زندگی کے تقریباً ۳۰ سال محلہ جالی بمبئی نمبر ۹ میں خطابت وافتاء کے فرائض انجام دینے میں گزرے۔

اولادِ امجاد:

آپ کے دو صاحبزادے ہیں: بڑے صاحبزادے قاضی عبد القادر ریٹائر سکول ماسٹر اور چھوٹے قاضی فضل رسول میونسپل کمیٹی ہری پور میں ہیڈ کلرک ہیں۔

وصالِ پُر ملال:

شب قدر کی بابرکت ساعتوں میں دو اور تین جنوری کی درمیانی رات کو

۱۳۴۹ھ/۱۹۳۱ء میں ۶۵ یا ۷۰ کی عمر میں کوٹ نجیب اللہ (ہری پور ہزارہ) میں آپ کا وصال ہوا[۳] اور اِسی جگہ دفن ہوئے، راقم ایک دفعہ فاتحہ خوانی کے لئے آپ کے مزار پر حاضر ہوا تھا۔

نوٹ: مولانا شاہ محمود احمد قادری زیدہ مجدہ نے تذکرہ علمائے اہلسنت صفحہ ۱۸۵ میں لکھا ہے کہ آپ کا ممبئی میں وصال ہوا جو درست نہیں ہے۔

حوالہ جات

۱۔۔۔۔ امیر شاہ قادری مولانا سید: تذکرہ علماء مشائخ سرحد (مطبوعہ پشاور) ج ۲ ص ۳۰۶
۲۔۔۔۔ محمود احمد قادری، مولانا شاہ، تذکرہ علمائے اہلسنت، ص ۱۸۵
۳۔۔۔۔ امیر شاہ قادری، مولانا سید، تذکرہ علماء مشائخ سرحد، ج ۲ ص ۳۰۷

رئیس المتکلمین

مولانا سیّد محمد سلیمان اشرف بہاری قدس سرہٗ

دنیائے علم و فضل کے تاجدار، میدانِ تحقیق و تدقیق کے شہسوار مولانا سیّد محمد سلیمان اشرف بہاری ابن مولانا حکیم سیّد محمد عبداللہ قدس سرہما تقریباً ۱۲۹۵ھ/ ۱۸۷۸ء میں محلہ میرداد، بہار (ضلع پٹنہ) میں پیدا ہوئے۔

تعلیم و تربیت:

ابتدائی کتب پڑھنے کے بعد مدرسہ حنفیہ جونپور میں اُستاذ العلماء مولانا علامہ محمد ہدایۃ اللہ رامپوری ثم جونپوری سے علوم کی تحصیل و تکمیل کی۔[۱] اُن کے علاوہ اُستاذ الاساتذہ مولانا یار محمد بندیالوی قدس سرہٗ سے بھی استفادہ کیا۔[۲]

اجازت و خلافت:

طریقت کے اعتبار سے آپ چشتی نظامی فخری سلیمانی تھے۔ (آپ کے مُرشد کا نام معلوم نہیں ہو سکا) موجودہ صدی کے مجدّد اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے بھی آپ کو اجازت و خلافت حاصل تھی۔

علی گڑھ یونیورسٹی میں تدریس:

۲۰۔۱۳۱۹ھ/۱۹۰۲ء میں علی گڑھ یونیورسٹی کے شعبہ اسلامیات کے چیئرمین مقرر ہوئے۔ آپ کے تقرر کی تفصیل جناب حافظ غلام غوث (نبیرہ مولانا ہدایت اللہ خاں جونپوری) نے ایک مضمون میں بیان کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"ایم-اے-او کالج علی گڑھ میں دینیات کے لیکچرار کی ضرورت تھی۔ مولانا کو اطلاع دی گئی اور انٹرویو میں "معجزہ" پر مقالہ لکھنے کی فرمائش کی گئی اور ساتھ ہی کہا گیا کہ کتابوں کی ضرورت ہو تو حبیب گنج تشریف لے جائیں۔" مولانا نے فرمایا: "بحمداللہ مجھے کتابوں کی ضرورت نہیں ہے، صرف کاغذ اور قلم دوات مہیا کر دیا جائے۔" چنانچہ نمازِ عشاء کے بعد سے صبح کی نماز تک ایک ہی مجلس میں بائیس فل اسکیپ صفحات پر مدلل مضمون قلمبند کر دیا جسے بہت پسند کیا گیا۔ پھر نمازِ جمعہ کے بعد "توحید" پر خطاب کرنے کے لئے کہا گیا تو آپ نے تین گھنٹے تک اس موضوع پر تقریر فرمائی جسے سن کر پرستارانِ وحدت جھوم گئے۔ اِس تقریر میں دینیات کمیٹی کے تمام اراکین نواب وقار الملک مشتاق حسین اور مولانا حبیب الرحمٰن شروانی موجود تھے۔ اسی دن پچاس روپیہ مشاہرہ پر آپ کا تقرر کر دیا گیا۔[۲] آپ نے تاحیات بڑے جاہ وجلال کے ساتھ فرائضِ منصبی کو ادا کیا۔

خطابت:

قدرتِ ایزدی نے آپ کو حیرت انگیز صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ خطابت میں بلا کا زور تھا، جس وقت آپ گفتگو فرماتے تو دریا کی روانی کا نقشہ سامنے آجاتا تھا۔

پروفیسر رشید احمد صدیقی صدر شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ لکھتے ہیں:

"جونپور میں سیرتِ رسول کا جلسہ تھا۔ مرحوم (مولانا محمد سلیمان اشرف) کی تقریر ہو رہی تھی۔ جلسہ کیا ایک جم غفیر تھا۔ مرحوم اپنے مخصوص والہانہ جوش و وارفتگی کے ساتھ تقریر کر رہے تھے۔ حاضرین کی خاموشی کا عالم یہ تھا کہ سارا مجمع ایک ہی متنفس تھا۔ اتنے دُور سے ایک بوڑھا پستہ قد، منحنی شخص جھکا ہوا، انبوہ کو چیرتا ہوا بڑھتا نظر آیا۔ جس شخص کے پاس سے گزرتا ہے، وہ خوف وعقیدت سے سمٹ کر تعظیم دیتا ہے۔ دیکھتے دیکھتے

پلیٹ فارم پر پہنچ گیا۔ مرحوم کو سینہ سے لگا کر پیشانی کا بوسہ دیا اور واپس چلا گیا۔ یہ مولانا ہدایت اللہ خاں صاحب، جبروت جونپوری کے استاد اور جونپور میں اِس وقت علم و ہنر کے چشم و چراغ تھے۔''[۱۳]

جرأت اور بیباکی مولانا کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اپنی رائے کا اظہار بے دھڑک کر دیتے تھے۔ کسی کے علم و فضل یا وجاہت و اقتدار سے مرعوب ہونا تو آپ نے سیکھا ہی نہ تھا۔ خودداری کا یہ عالم تھا کہ یونیورسٹی کے کسی ایسے اجلاس میں شریک نہ ہوتے جس میں کسی بڑے آدمی کو مدعو کیا گیا ہوتا اور نہ ہی کسی کے گھر جاتے جب تک اُس سے دوستانہ مراسم نہ ہوتے۔[۱۴]

پروفیسر رشید احمد صدیقی لکھتے ہیں:

''مرحوم میں اپنے استاد ہی کا جبروت وطنطنہ تھا۔ اُن کی شفقت میں بھی جبروت کارفرما تھا۔ میں نے مرحوم کو جھجک کر یا گول مول باتیں کرتے کبھی نہ پایا۔''[۱۵]

سیاسی خدمات:

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مردانہ وار حصہ لینے کی بنا پر مسلمانوں کو خوفناک مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ کون سا وہ ظلم ہوگا جو انگریزوں نے اہلِ اسلام کے لئے روا نہ رکھا؟ مسلمانوں کی خستہ حالی سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے ہندوؤں نے پہلے تو مسلمانوں کی املاک اور جاہ و منصب پر ہاتھ صاف کیا، پھر اِس طرف سے یک گونہ مطمئن ہو کر اُن کے مذہب پر جارحانہ حملے کا آغاز کیا۔ ابتداءً گائے کی قربانی بند کرنے کی تحریک شروع کی اور نکتہ یہ اُٹھایا کہ:

''اسلام میں گائے کی قربانی فرض نہیں ہے۔ لہٰذا اگر اِس خیال سے کہ گائے کی قربانی سے ہندوؤں کی دل آزاری ہوتی ہے، اسے ترک کر دیا جائے تو کیا مضائقہ ہے؟''

اِس قسم کے سوالات علماء کی خدمت میں پیش کیے گئے۔ بعض حضرات نے ہندوؤں کے فریب میں آ کر فتویٰ دے دیا کہ: ''گائے کی قربانی ترک کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے''۔ حضرت مولانا سیّد محمد سلیمان اشرف اور آپ کے شیخ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی اور دیگر علمائے اہلِ سُنّت ہی کا کام تھا کہ انہوں نے اِس فتنے کا ڈٹ کر مقابلہ کیا، اور واشگاف الفاظ میں اعلان کیا کہ:

''شریعت نے جو اختیار عطا فرمایا ہے اس سے فائدہ اُٹھانے کا ہمیں حق حاصل ہے۔ خوفِ فتنہ ہو تو حکومت کی قوت کو متوجہ کرنا چاہئے۔ یہ پاسِ خاطرِ ہنود یا خوفِ ہنود اپنے دینی حق سے باز رہنا ہرگز روا نہیں۔''[۷]

امام احمد رضا بریلوی نے اِس مسئلہ پر ایک مستقل رسالہ ''انفس الفکر فی قربان البقر'' سپردِ قلم فرمایا اور مولانا سیّد محمد سلیمان اشرف نے بھی اپنی گراں قدر تالیف ''النور'' میں اس موضوع پر سیر حاصل بحث فرمائی۔

پھر ہندوؤں کے عیّار اور مکار لیڈر گاندھی نے کانگریس نواز علماء کو کچھ ایسا چکر دیا کہ یہ حضرات اُس کے دامِ تزویر میں آ گئے اور نہ صرف یہ کہ تحریکِ خلافت اور تحریکِ ترکِ موالات ایسی تحریکوں میں گاندھی کے فیصلے کو حرفِ آخر سمجھنے لگے بلکہ اس کی اقتداء میں دین و مذہب سے بھی بے اعتنائی برتنے لگے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان عوام اپنے دینی شعائر کو ترک کر کے ہنود کی خرافات کو اپنانے لگے۔ اُس دور کا نقشہ مولانا سیّد سلیمان اشرف نے کس درد و کرب سے کھینچا ہے۔ ذیل کی عبارت میں ملاحظہ فرمایئے:

''گائے کی قربانی مسلمانوں سے چھڑائی جاتی ہے۔ موحدین کی پیشانی پر قشقہ جو شعارِ شرک ہے کھینچا جاتا ہے۔ مساجد ہنود کی تفریح گاہیں، مندر مسلمانوں کا ایک مقدس معبد ہے۔ ہولی شعارِ اسلام ہے جس میں رنگ پاشی اور وہ بھی خاص اہلِ ہنود کے ہاتھوں جبکہ وہ نشۂ شراب میں بدمست ہوں۔ عجب دلکش عبادت ہے۔ بتوں پر ریوڑیاں چڑھانا، ہار پھولوں سے انہیں آراستہ کرنا، پھولوں کا تاج اصنام کے سروں پر رکھنا خالص توحید ہے

—— یہ سارے مسائل اِن صورتوں میں اِس لئے ڈھل گئے کہ ہندوؤں کی دلنوازی اور استرضاء سے زیادہ اہم نہ توحید ہے نہ رسالت نہ معاد۔ نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ!" [۸]

اس وقت اُمت مسلمہ کو ایسے راہنما کی ضرورت تھی جو ہندو کی شاطرانہ چالوں کے تارو پود بکھیر کر راہِ راست واضح کرتا اور مسلمانوں کو ہندوازم میں مدغم ہونے سے بچاتا۔ اِس نازک دور میں علمائے اہلِ سُنّت نے طعن و تشنیع سے بے نیاز ہو کر حق گوئی کا فریضہ کما حقہ ادا کیا۔ اور علی الاعلان کہا:

"بت پرست اور بت شکن کا اتحاد نہیں ہو سکتا۔"

یہی وہ دوقومی نظریہ کا نعرہ تھا جو پہلے پہل علمائے اہلِ سُنّت کی طرف سے بلند ہوا اور اِسی نظریے کی بنا پر پاکستان معرضِ وجود میں آیا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری بریلوی کی بلند پایہ تصنیف "المحجة المؤتمنه" اور مولانا سیّد محمد سلیمان اشرف کی تصنیفِ لطیف "النور" کا مطالعہ کیجئے۔ یہ حقیقت بے نقاب ہو کر سامنے آ جائے گی۔

مولانا سیّد محمد سلیمان اشرف، مشرکینِ ہنود سے کس قدر متنفر تھے۔ اس کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ جناب ڈاکٹر عابد احمد علی بیان کرتے ہیں:

"ایک مرتبہ علی گڑھ یونیورسٹی کی مسجد میں بعض لوگوں نے گاندھی کو تقریر کے لئے بلایا تو سیّد صاحب (مولانا محمد سلیمان اشرف) نے بعد میں خود اپنے ہاتھ سے ساری مسجد کو دھو کر صاف کیا۔" [۹]

مشرکین سے یہ نفرت و بیزاری محض دینی جذبے اور خوفِ خدا کے تحت تھی۔ چنانچہ ایک موقعہ پر فرمایا:

"دیکھو علماء کس طرح لیڈروں کا کھلونا بنے ہوئے ہیں اور لیڈروں نے مذہبی اُصول اور فقہی مسائل کو کیسا گھروندا بنا رکھا ہے ——؟ میں جھگڑا مول لینا نہیں چاہتا ہوں اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ کالج اس قسم کے مناقشوں کا مرکز ہے، لیکن کیا کروں خدا کو تو بعد میں منہ دکھانے کا موقع ملے گا، اس

دنیا کے پڑھے لکھے لوگ کیا کہیں گے۔''[۸۸]

مولانا کے نزدیک دین کی حفاظت سب سے اہم تھی۔ سلطنت کے حصول کی خاطر ہنود سے اتحاد منا کر دین کے پسِ پشت ڈالنے کو بدترین گمراہی قرار دیتے تھے۔ چنانچہ فرمایا کرتے تھے:

''لعنت ہے اس سلطنت پر جو دین بیچ کر حاصل کی جائے۔''[۸۹]

ماہ رجب بمطابق مارچ (۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء) میں جمعیۃ العلماء ہند کا اجلاس بریلی میں ہونا طے پایا۔ پروپیگنڈے کے طور پر دو اشتہار سامنے آئے، جن سے معلوم ہوتا تھا کہ اراکینِ جمعیت اس آن بان سے بریلی آئیں گے کہ ان کی گھن گرج سے مخالفین دہل جائیں گے اور کسی کو مجالِ دم زدن نہ ہوگی۔ ایک اشتہار کا عنوان تھا: ''زندگی مستعار کی چند ساعتیں'' ـــــ اِس میں اجلاس کے مقاصد بیان کرتے ہوئے کہا گیا تھا:

''مخالفینِ ترکِ موالات اور موالاتِ نصاریٰ کے عملی حامیوں پر اتمامِ حجت کیا جائے گا۔''

دوسرا اشتہار بہ عنوان ''آفتابِ صداقت کا طلوع'' شائع ہوا۔ اس میں مخالفین پر بڑے رکیک حملے کئے گئے تھے۔ ذرا اس اشتہار کے غیر منصفانہ تیور ملاحظہ ہوں، اس میں لکھا تھا:

''منکرین و منافقین پر اتمامِ حجت، مسائلِ حاضرہ کا انقطاعی فیصلہ، خدائی فرمان پہنچانے کے لئے بریلی میں جمعیۃ العلماء کا اجلاس ہونے والا ہے۔ سچائی ظاہر ہوگئی اور جھوٹ بھاگ نکلا۔ خداوندِ جبار و قہار کا یہ فرمان پورا ہو کر رہے گا۔''[۹۰]

۱۰؍ رجب = ۲۰؍ مارچ (۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء) کو صدر شعبۂ علمیہ جماعتِ رضائے مصطفیٰ بریلی، صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی اعظمی نے ستر سوالات پر مشتمل اعلانِ مناظر۔ بنام اتمامِ حجت شائع کر کے جمعیۃ العلماء کے ناظم کو بھیج دیا لیکن بار بار تقاضوں کے باوجود عمائدین جمعیۃ مناظرہ کے لئے تیار نہ ہوئے اور بلند بانگ دعاوی کو صاف

نظر انداز کر گئے۔

۱۳ار رجب ۱۳۳۹ھ کو مولانا سیّد محمد سلیمان اشرف بھی تشریف لے آئے۔ انہوں نے انفرادی طور پر بھی مناظرہ کی دعوت دی۔ اس کا جواب مولانا ابوالکلام آزاد نے دیا۔ لیکن مختلف فیہ مسائل پر گفتگو کرنے کی بجائے غیر متعلقہ مسائل کا تذکرہ چھیڑ دیا اور کسی طرح نزاعی مسائل پر گفتگو کرنے کے لئے تیار نہ ہوئے۔ آخر ۱۴ار رجب کو شام کے بعد مولانا سیّد سلیمان اشرف، حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا بریلوی، صدر الشریعہ مولانا محمد امجد علی (صدر جماعت رضائے مصطفیٰ) صدر الافاضل مولانا سیّد محمد نعیم الدین مراد آبادی، ملک العلماء مولانا محمد ظفر الدین بہاری، مولانا محمد حسنین رضا خاں (ناظم جماعت رضائے مصطفیٰ) اور مولانا برہان الحق وغیرہم حضرات شان وشوکت کے ساتھ جمعیۃ العلماء کے پنڈال میں تشریف لے گئے۔ صدر جلسہ مولوی ابوالکلام آزاد نے جماعت رضائے مصطفیٰ کے مناظرین کو خطاب کا وقت نہ دیا۔ غالباً وہ اِس طرح ستّر سوالات کے جواب سے پہلوتہی کرنا چاہتے تھے۔ البتہ مولانا سیّد سلیمان اشرف کو ۴۵ منٹ کا وقت دیا۔ اُس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ان کے نام اجلاس بریلی میں شرکت کا دعوت نامہ جا چکا تھا۔[۱۱]

مولانا سیّد محمد سلیمان اشرف نے خطاب فرمایا اور علماء اہلِ سُنّت کا موٴقف بڑی خوبی سے واضح کیا۔ اِس تقریر کو پڑھ کر مولانا کی حق گوئی، صلابت رائے اور چھا جانے والی شخصیت کا گہرا احساس دل پر نقش ہو جاتا ہے۔ یہ تقریر ''روداد مناظرہ'' میں جماعت رضائے مصطفیٰ، بریلی کی طرف سے شائع ہو چکی ہے۔ اِس تقریر کے چند اقتباسات ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں۔ مولانا نے مابہ الاتفاق اور مابہ الاختلاف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''مسئلہ خلافت وتحفظ وصیانت اماکنِ مقدسہ اور ترک موالات، یہ وہ مسائل ہیں جن میں نہ صرف فقیر بلکہ تمام علمائے کرام نہیں، بلکہ تمام عامہ مسلمین ہمیشہ متفق اللسان ہیں۔ ترکوں کی خلافت بمعنی قوت دفاعی ایک

امر مسلّم ہے۔ خدمتِ حرمین شریفین ہر مسلمان پر فرض کفایہ ہے، نیز محافظتِ حرمین شریفین بھی ہر مسلمان پر فرض کفایہ ہے۔ سلطنتِ ترکی ہماری دینی بھائی، اس پر اسلامی سلطنت، اس پر اسلام کی قوتِ دفاعی، پھر حرمین شریفین کی خادم و محافظ، پس ان کی اعانت اور نصرت نہ صرف مسلمانانِ ہند بلکہ تمام مسلمانانِ عالم پر بقدرِ استطاعت فرض ہے۔ یہ وہ مسائل شرعیہ ہیں جنہیں نہ میں صرف اس وقت بیان کر رہا ہوں بلکہ آج سے دس برس پیشتر فقیر نے کہا، لکھا، چھاپا، ملک میں شائع کیا۔

میرا نیز دیگر علمائے اہلِ سنّت و جماعت کا آپ سے اختلاف اس مسئلہ میں ہرگز نہیں، ہاں اختلاف اِس میں ہے کہ آپ ہندوؤں سے موالات برتتے ہیں اور مسلمانوں کو حرام و کفریات کا مرتکب بناتے ہیں۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ موالات ہر نصرانی و یہودی سے ہر حال میں حرام ہے، اور قطعی حرام! یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰی (الآیۃ) نصرانی اور یہودی خواہ فریقِ محارب ہوں یا غیرِ محارب مطلقاً موالات اُن سے حرام اور مطلقاً حرام، ہر کافر سے موالات حرام، خواہ محارب ہو یا غیر محارب، لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ۔

آپ حضرات انگریزوں سے تو موالات حرام بتاتے ہیں اور کافروں (ہندوؤں) سے موالات نہ صرف جائز بلکہ عین حکم الٰہی کی تعمیل بتاتے ہیں۔

آپ نے قشقہ لگایا، گاندھی کی جے ایک دو بار نہیں بلکہ بیسیوں جگہ بیسیوں بار پکاری کہ مہاتما گاندھی کی جے۔ جس طرح صلیب علامت تثلیث ہے، کیا قشقہ علامتِ شرک نہیں؟ کیا آپ کی غیرت تقاضا کرتی ہے کہ شرک کی علامت قشقہ اپنی پیشانیوں پر لگایئے؟

آپ ہمارے سامنے سمرنا وغیرہ کے مظالم بیان کر کے ہمارے جذبات اُبھارتے ہیں، مگر کیا ہندوؤں نے آرہ، شاہ آباد، کٹار پور وغیرہ میں قربانی

بند کرنے کے لئے ایسے ہی مظالم نہیں کئے؟ قرآن مجید نہیں پھاڑے؟ عورتوں کی بے حرمتی نہیں کی؟ مسلمانوں کی جانیں نہیں لیں؟ مسجدوں میں بے ادبیاں نہیں کیں؟ آج آپ سبز گنبد کی بے ادبی ہونے سے غیرت دلاتے ہیں، مگر کیا آپ کے لئے یہ غیرت کی بات نہیں تھی جبکہ یہ کہہ کر دربار نبوت و رسالت کی اہانت کی گئی کہ:

"اگر نبوت ختم نہ ہوگئی ہوتی تو مہاتما گاندھی نبی ہوتے۔"

آپ نے اس پر کیوں انکار نہ کیا؟ کیوں خاموش رہے؟

غرض مقاماتِ مقدسہ و خلافتِ اسلامیہ کے مسائل میں ہمیں اختلاف نہیں، ہندوستان کے مفاد کی کوشش کیجئے۔ اس سے ہمیں خلاف نہیں۔ خلاف اِن حرکات سے ہے، جو آپ لوگ منافی و مخالفِ دین کر رہے ہیں، اِن حرکات کو دور کر دیجئے، اِن سے باز آیئے، اِن کی روک تھام کیجئے، عوام کو اِن سے باز رکھئے تو خلافتِ اسلامیہ و ممالکِ مقدسہ کی حفاظت ہندوستان کے ملکی مفاد کی کوششیں ہم بھی آپ کے ساتھ مل کر کرنے کو تیار ہیں۔"[۱۴۱]

اس کے بعد ابوالکلام آزاد نے چند باتیں بطور صفائی کہیں جن کا خلاصہ آئندہ سطور میں مندرج ہے:

"یہاں کس نے قشقے کی اجازت دی؟ کس نے مہاتما گاندھی کی جے، پکارنے کو کہا؟ بلکہ میں خود تو مہاتما کے یہ معنی تک نہیں جانتا کہ وہ کوئی تعظیم کا لفظ ہے۔ یہاں کے کس ذمہ دار نے کہا کہ اگر نبوت ختم نہ ہوگئی ہوتی تو مہاتما گاندھی نبی ہوتے؟" یہ کفر کا کلمہ کون مسلمان کہہ سکتا ہے؟ اور جے، قشقہ وغیرہ حرکات مخالف دین پر ہم سخت نفرین کرتے ہیں — نفسِ موالات تمام کفار سے خواہ وہ حربی یا غیر حربی، یقیناً حرام اور ممنوع ہے اور ہم کب اُسے جائز بتاتے ہیں — کوئی غیر مسلم کسی مسلم کا ہرگز پیشوا اور رہنما نہیں ہو سکتا، مسلمانوں کی پیشوائی و رہنمائی ایک ذاتِ حضور محمد رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ہے، اور ان کی نیابت سے علماء کے لئے ہے۔ میں صاف کہتا ہوں کہ ہمارے ہندو بھائی بائیس کروڑ ہیں اور اگر وہ بائیس کروڑ گاندھی ہوں اور مسلمان اُن کو اپنا پیشوا بنائیں اور ان کے بھروسہ پر رہیں تو وہ بت پرست ہیں اور گاندھی ان کا بت۔"[۱۵]

مولانا آزاد نے اپنی تقریر میں مسئلہ قربانی کے بارے میں کچھ نہ کہا، اِس تقریر کے جواب میں مولانا سیّد سلیمان اشرف نے کہا:

"ابوالکلام صاحب کہتے ہیں کہ آیات میں تحریف کر کے ہندو سے موالات کس ذمہ دار شخص نے جائز بتائی؟ کیا حکیم اجمل خاں صاحب ذمہ دار شخص نہیں؟ پھر اُن کا مطبوعہ خطبہ دیکھئے جس کی ہزاروں کاپیاں شائع ہوئیں۔ آپ کہتے ہیں کہ قشقہ وغیرہ حرکات کی ہم نے کب اجازت دی؟ مگر آپ نے عوام کے سامنے ہنود سے اتحاد کو کیوں اِس طرح مفصل و مشرح کر کے نہیں پیش کیا کہ اِن امور میں اتحاد کرو اور ان امور میں الگ رہو۔ آپ نے ان کے سامنے مجمل صورت میں اتحاد پیش کیا جس سے وہ اِن حرکات میں مبتلا ہوئے۔ پھر آپ اِن حرکات کی ذمہ داری سے کیسے الگ ہو سکتے ہیں؟ خود آپ کے شہر بریلی میں گاندھی کو سپاسنامہ پیش کیا گیا جس میں گاندھی کی نسبت کہا گیا۔

ع خاموشی از ثنائے تو حدِ ثنائے تست

کیا آپ حضرات نے اِس پر کچھ انکار کیا؟ کیا آپ کا یہ سکوت آپ پر الزام نہیں لاتا؟"

ابوالکلام آزاد اِن الزامات پر خاموش رہے۔ پھر مولانا سیّد محمد سلیمان اشرف نے مولانا عبدالماجد بدایونی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا:

"کہو یار تمہاری بھی کہہ دیں، تم نے گاندھی کو کہا کہ خدا نے اِن کو مذکّر بنا کر بھیجا ہے، یہ کفر ہے۔"[۱۶]

اس پر مولانا بدایونی خاموش ہے۔ تقریر ختم ہونے پر مولانا حامد رضا بریلوی نے فرمایا:

''ہمیں خلاف آپ حضرات کی اِن خلافِ شرع و خلافِ اسلام حرکات سے ہے، جن میں سے کچھ مولوی سیّد محمد سلیمان اشرف صاحب نے بیان کیں اور جن کے متعلق جماعت (رضائے مصطفیٰ) کے ستر سوال بنام ''اتمامِ حجتِ تامہ'' آپ کو پہنچے ہوئے ہیں، ان کے جواب دیجئے۔ جب تک آپ اِن تمام حرکات سے اپنا رجوع نہ شائع کر دیں گے اور ان سے عہدہ برآ نہ ہولیں گے۔ ہم آپ سے علیحدہ ہیں اور اس کے بعد خدمت و حفاظت حرمین شریفین و مقاماتِ مقدسہ و ممالک اسلامیہ میں ہم آپ کے ساتھ مل کر جائز کوشش کرنے کو تیار ہیں۔''[۱۷]

یہ ہے خلاصۂ گفتگو جس میں علمائے اہلِ سُنّت کو نمایاں کامیابی ہوئی۔ صدرالافاضل مولانا سیّد محمد نعیم الدین مرادآبادی نے اعلیٰ حضرت امامِ اہلِ سُنّت امام احمد رضا بریلوی کے نام ایک مکتوب میں اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے لکھا:

''روانگی کے وقت بریلی کے اسٹیشن پر ایک تاجر صاحب نے مجھ سے کہا کہ ابوالکلام جس وقت بریلی سے جارہے تھے میں ان کے ساتھ تھا، وہ یہ کہتے جاتے تھے کہ:

''اُن کے جس قدر اعتراض ہیں حقیقت میں سب درست ہیں، ایسی غلطیاں کیوں کی جاتی ہیں جن کا جواب نہ ہو سکے اور اُن کو اِس طرح گرفت کا موقع ملے؟''

میں اپنی مسرت کا اظہار نہیں کر سکتا جو مجھے اِس فتح سے حاصل ہوئی۔ میدان مولوی سلیمان اشرف صاحب کے ہاتھ رہا۔ حضرت کے غلاموں کی ہمّت قابلِ تعریف ہے۔''[۱۸]

مولانا سیّد محمد سلیمان اشرف نے متعدد کتابیں تحریر فرمائیں جن میں بیان و برہان کا

زور پوری طرح جلوہ گر ہے۔ آپ نے جب ''النور'' اور ''الرشاد'' ایسی کتابیں لکھ کر ہندو نواز کانگریسی لیڈروں کا شرعی نقطۂ نگاہ سے محاسبہ کیا تو مخالفتوں کا طوفان کھڑا ہو گیا۔ تحریر وتقریر کے ذریعے آپ کے خلاف پروپیگنڈا کیا گیا۔ لیکن آپ کوہِ وقار بنے رہے اور طعن وتشنیع کی پروا کیے بغیر اعلاء کلمۃ الحق کا فریضہ ادا کرتے رہے۔ اس وقت عوام تو عوام بعض خواص بھی اِس مغالطے میں واقع ہو گئے کہ عام طور پر کانگریس اور جمعیۃ العلماء ہند کے لیڈر جو کچھ کہہ رہے ہیں، وہی سو فیصد درست ہے۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا، یہ احساس یقین کی حد کو پہنچنے لگا کہ اِس افراتفری کے دَور میں علماء اہلِ سُنّت نے جو کچھ کہا تھا وہی حقیقت تھا۔

پروفیسر رشید احمد صدیقی لکھتے ہیں:

''سیلاب گزر گیا، جو کچھ ہونے والا تھا وہ بھی ہوا لیکن مرحوم (مولانا سیّد محمد سلیمان اشرف) نے اس عہد سراسیمگی میں جو کچھ لکھ دیا تھا بعد میں معلوم ہوا کہ حقیقت وہی تھی، اُس کا ایک ایک حرف صحیح تھا، آج تک اُس کی سچائی اپنی جگہ پر قائم ہے، سارے علماء سیلاب کی زد میں آ چکے تھے صرف مرحوم اپنی جگہ پر قائم تھے۔''[۱۹]

فارسی شعر وادب کی تاریخ پر ''الانہار'' لکھی۔ عربی، فارسی اور اردو کے محقق اور ادیب مولانا حبیب الرحمٰن شروانی نے اِسے شبلی کی ''شعرالعجم'' سے بہتر قرار دیا۔

حج کے موضوع پر ''الحج'' تالیف کی جسے مولانا شروانی نے حج کے موضوع پر سب سے بہتر قرار دیا۔

عربی زبان کی برتری اور فوقیت پر نہایت وقیع کتاب ''المبین'' لکھی، جسے اہلِ علم نے بے حد سراہا۔ مشہور مستشرق مسٹر براؤن نے اِسے دیکھ کر کہا:

''مولانا نے اِس عظیم موضوع پر اردو میں یہ کتاب لکھ کر ستم کیا۔ عربی یا انگریزی میں ہوتی تو کتاب کا وزن اور وقار بڑھ جاتا۔''[۲۰]

مولانا نے ''المبین'' کا ایک نسخہ ڈاکٹر اقبال کو بھی بھجوایا تھا۔ اتفاقاً کچھ دن بعد

علامہ اقبال علی گڑھ گئے تو دورانِ ملاقات اِس کتاب کی بڑی تعریف کی اور کہا:

''مولانا آپ نے عربی زبان کے بعض ایسے پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالی ہے جن کی طرف پہلے کبھی میرا ذہن منتقل نہیں ہوا تھا۔''[۱۲]

مشہور صاحبِ قلم محمد حنیف ندوی ''المبین'' پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اِس کا تعارف مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی مرحوم نے تحریر کیا ہے۔ دیباچہ سیّد نور محمد قادری نے لکھا ہے، جو ۴۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ ''المبین'، مولانا سیّد سلیمان اشرف مرحوم، سابق صدر شعبۂ علوم اسلامیہ، علی گڑھ کی معرکۃ الآرا تصنیف ہے۔ اس کا موضوع ان تلبیسات و شکوک کا ازالہ ہے، جن کو فلسفۃ اللغۃ العربیہ کے مصنف جرجی زیدان نے عربی زبان کی اہمیت و وقار کو گزند پہنچانے کے لئے وضع کیا۔ اِس کی حیثیت ایسے ادبی اور تحقیقی شاہکار کی ہے جس میں ایک طرف اگر زبان اور اسلوب کا اچھا خاصا چٹخارہ پایا جاتا ہے تو دوسری طرف تحقیق و تفحص کی ایسی نادرہ کاری بھی جلوہ کناں ہے جو علمی حلقوں سے خصوصی داد پانے کی مستحق ہے۔

عربی زبان وسعت اور اظہار و تبیین کی معجزانہ خوبیوں سے اس درجہ مالا مال ہے کہ دنیا کی کوئی زبان اِس کے بارے اِس کی نظیر پیش نہیں کر سکتی۔ اِس کے الفاظ میں جو معنویت اور آہنگ و صوت کی مناسبتیں پائی جاتی ہیں وہ بھی صرف اِسی کا مقدر ہے اِس میں مرصع اور جامع الفاظ سے لے کر اسلوب تک ہر شے منفرد اور ممیز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وحی و تنزیل کی تکمیل و اتمام کا جب وقت آیا تو مشیّتِ ایزدی نے اِس زبان کو یہ فخر بخشا کہ اس کے ذریعے اسلام کے پیغامِ ہدایت التیام کو عام کیا جائے، لیکن اس کا کیا کیجئے کہ عربی زبان کی یہی خوبی نگاہ استشراق میں بری طرح کھٹکی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ نام نہاد عربی دانوں میں اس پر انگلیاں اُٹھنے لگیں۔

کسی نے کہا کہ یہ اہلِ بادیہ کی زبان ہے اِس میں بھلا یہ استعداد کہاں کہ

جدید لسانی تقاضوں کا ساتھ دے سکے۔

○— کسی نے یہ کہہ کر اِس کی کم مائیگی پر اعتراض کیا کہ اِس میں سو امترادفات کی کثرت کے اور رکھا ہی کیا ہے؟

○— اور جرجی زیدان نے یہ کہہ کر دل کی بھڑاس نکالی کہ عربی زبان صرف دو حرفوں سے ترکیب پذیر ہے اور یہ کہ اِس میں بہت سے الفاظ دوسری زبانوں سے مستعار لئے گئے ہیں۔

مولانا سلیمان اشرف نے عربی زبان کے فضائل اور خوبیوں کو جس بلند لسانی سطح پر پیش کیا ہے اور تحقیق و تفحص کے جن موتیوں کو رولا اور ترتیب دیا ہے اُس سے اِس حسین و مکمل زبان کے بارے میں دو منطقی نتیجے نکالے جا سکتے ہیں، ایک یہ کہ یا تو اِس کی زُلف و کاکل کو سنوارنے اور چمکانے میں اِس حد تک مشاطۂ قدرت کے دستِ ہنر پرور کا براہِ راست کرشمہ کار فرما ہے، اور یا پھر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کچھ ماہرِ لسانیات نے سوچ سمجھ کر اِس کے مزاج و نہج کو ترتیب دیا ہے۔

یہ کتاب سات ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں وضع الفاظ سے تعرض کیا گیا ہے۔ اِس میں بیان کیا ہے کہ آلۂ صوت کو جس جامعیت اور قوت و بلاغت کے ساتھ عربی زبان میں استعمال کیا گیا ہے اس کی مثال کسی عجمی زبان میں پائی نہیں جاتی۔ یہ باب اپنے دامن میں نہایت قیمتی مواد کو لئے ہوئے ہے۔

دوسرا باب مخارج و صفات و اعرابِ حروف سے متعلق ہے۔ اِس میں اعراب و حرکات کا سلسلہ نہایت تحقیق و کاوش سے پیش کیا گیا ہے، اور بیان کیا گیا ہے کہ اِس کے حروف ترکیبی کا معنی و مفہوم سے گہرا تعلق ہے۔

تیسرے باب میں عربی الفاظ کی اِس خصوصیت کو امثلہ و نظائر کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے کہ ان اسالیب و امتزاج کی صورت میں جو معنویت اُبھرتی

ہے وہ کیا ہے، اور کیونکر دو حروف مل کر ایک مخصوص مفہوم کو جنم دیتے ہیں۔

مثنوی ہشت بہشت اور اُس کا مقدمہ:

حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین دہلوی کے محبوب مرید امیر خسرو (رحمہما اللہ تعالیٰ) تصوّف و اخلاق، حکمت و دانش، علم و فضل اور شعر و سخن کی دنیا کے امام تھے۔ ہندوستان کے باشندے ہونے کے باوجود ان کے فارسی کلام کی عظمت و ثقاہت کا یہ عالم ہے کہ ایرانی شعراء نے نہ صرف ان کی سخنوری کے سکّے کو تسلیم کیا بلکہ اُن کی پیروی بھی کی۔

حضرت امیر خسرو رحمہ اللہ تعالیٰ نے ہر صنفِ سخن میں طبع آزمائی کی اور کمال کی بلندیوں کو چھوا، اُردو کی، فردوسی اور مولانا نظامی کے بعد مثنوی کے میدان میں اُن کا رہوارِ قلم چلا اور بعد والوں کے لئے ناقابلِ قبول چیلنج چھوڑ گیا۔

''مثنوی ہشت بہشت'' اُن کی آخری مثنوی ہے جس میں انہوں نے ایران کے بادشاہ بہرام گور کی عیش پرستی اور شوقِ شکار کا قصہ قلمبند کیا ہے۔ اسی ضمن میں انہوں نے بڑے حکیمانہ انداز میں بادشاہِ وقت علاء الدین خلجی کو نصیحت بھی کی ہے، اور بیٹی کو بھی نصیحت فرمائی ہے۔ یہ وہ نصیحتیں ہیں جو ہر حکمران اور بیٹی کے لئے کارآمد ہیں اور حرزِ جاں بنانے کے قابل ہیں۔

اس نادرِ روزگار مثنوی کی تصحیح، تنقیح اور تعارف کا کام جناب نواب عماد الملک سیّد بلگرامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نابغۂ عصر علامہ سیّد سلیمان اشرف بہاری، خلیفہ امام احمد رضا بریلوی (رحمہما اللہ تعالیٰ) وصدر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے ذمہ لگایا۔ نواب حاجی محمد اسحٰق خاں آنریری سیکرٹری مدرسۃ العلوم، علی گڑھ اور شیخ محقق شاہ عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہٗ کے خانوادہ کے صاحبِ علم بزرگ مولانا محمد احتشام الدین ایم۔ اے نے علمی سطح پر اُن کے ساتھ تعاون فرمایا۔

علامہ بہاری نے یہ کام بحسن وخوبی پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ مولانا محمد مقتدی شروانی نے مطبع انسٹیٹیوٹ علی گڑھ کالج سے ۱۳۳۶ھ/۱۹۱۵ء میں ''مثنوی ہشت بہشت'' اور

علامہ بہاری کے مقدمہ کی اشاعت کا اہتمام کیا۔ اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو اجرِ جمیل عطا فرمائے۔

علامہ سیّد سلیمان اشرف بہاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اِس مثنوی کی تصحیح کے لئے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ دس نسخے جمع کیے اور پوری دماغ سوزی کے ساتھ تصحیح کا کام انجام دیا۔

اس کام میں جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اُن کا تذکرہ کرتے ہوئے علامہ بہاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''کتاب کی تصحیح کیا تھی؟ چیونٹیوں بھرا کباب تھا۔ اگرچہ ۱۰ نسخے موجود تھے، لیکن اِن کانٹوں میں پھول چنا (چننا) میرے لئے نہایت دشوار تھا۔''

(التماس، ص ۴)

تصحیح اور تقابل کے علاوہ ۳۲۴ صفحے کا طویل مقدمہ لکھا جس کا نام ''الانہار'' رکھا گیا اس مقدمہ میں انہوں نے اقسامِ شاعریِ فارسی، شاعری پر عربی شاعری کا اثر، فارسی شاعری کی تاریخ اور تدریجی ترقی، حضرت امیر خسرو کی شاعری، خسرو کا تصوف، خسرو کی غزل سرائی، مثنوی کے اقسام، مولانا نظامی اور فردوسی کا تقابل، سلاطین کے ہاں خسرو کی مثنویوں کی قدر و منزلت، متاخرین اور کمالِ خسروی کا اعتراف، نظامی و خسرو کا تقابل وغیرہ عنوانات پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے۔

اس کے بعد ''مثنوی ہشت بہشت'' کا تفصیلی تعارف کرایا ہے۔ مولانا نظامی کی ''مثنوی ہفت پیکر'' اور ''ہشت بہشت'' کا تقابلی موازنہ اس طرح پیش کیا کہ کسی بزرگ کی تنقیص کا پہلو نہیں نکلتا، بلکہ ''ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است'' کا منظر پیش کیا ہے۔

کتاب ''الانہار'' کو شبلی کی ''شعر العجم'' سے بہتر قرار دیا گیا۔ اُمید ہے کہ اہلِ علم مطالعہ کے بعد اس رائے کی تائید کریں گے۔

یہ کتاب ۱۹۱۵ء میں چھپی۔ اسّی بیاسی سال کا عرصہ گزر جانے کے باوجود کسی ناشر

نے اس علمی جواہر پارے کی اشاعت کی طرف توجہ نہ کی۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے۔ جناب الحاج محمد محفوظ احمد نوری سکھروی، مالک نوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی بلال گنج، لاہور اور ان کے دونوں صاحبزادوں محمد مصطفیٰ اشرف اور محمد مختار اشرف سلمہما ربہما کو کہ انہوں نے اس نادر اور گراں مایہ کتاب کی اشاعت کا بیڑا اُٹھایا ہے۔ بلاشبہ اہلِ علم کے لئے یہ عظیم علمی تحفہ ہے۔

چند مشاہیر تلامذہ:

مولانا سیّد محمد سلیمان اشرف قدس سرہٗ نصف صدی سے زیادہ عرصہ تک مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ میں فرائضِ تدریس انجام دیتے رہے۔ آپ سے ہزار ہا افراد نے استفادہ کیا۔ چند مشاہیر تلامذہ کے نام یہ ہیں:

۱۔ مبلّغِ اسلام مولانا ڈاکٹر فضل الرحمٰن انصاری، (بانی المرکز الاسلامی، کراچی)

۲۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی (مؤلف گنج ہائے گراں مایہ، علی گڑھ)

۳۔ ڈاکٹر عابد احمد علی (مہتمم بیت القرآن، پنجاب پبلک لائبریری، لاہور م۔ ۲۵/ اپریل ۱۹۷۴ء)

۴۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی، لاہور۔

وصالِ پُرملال:

۱۵/ ربیع الاوّل، ۲۵/ اپریل ۱۳۵۸ھ/ ۱۹۳۹ء میں مولانا علامہ سیّد محمد سلیمان اشرف بہاری قدس سرہ کا وصال ہوا[۲۲] اور علی گڑھ کے قبرستان میں دفن کئے گئے[۲۳]

علامہ سیّد سلیمان اشرف بہاری رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات پر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے پروفیسر رشید احمد صدیقی نے درد و سوز میں ڈوبے ہوئے تاثرات تحریر کئے جو اُن کی کتاب ''گنج ہائے گراں مایہ'' میں چھپ چکے ہیں، چند اقتباسات ملاحظہ فرمائیں:

غزالاں تم تو واقف ہو کہو مجنوں کے مرنے کی
دِوانا مر گیا آخر کو ویرانے پہ کیا گزری

مولانا سلیمان اشرف صاحب اِس جہان سے اُٹھ گئے اور اپنے ساتھ وہ تمام باتیں لے گئے جو میرے لئے اب کسی اور میں نہیں۔ میرا اُن کا خون کا کوئی رشتہ نہ تھا صرف علی گڑھ کا رشتہ تھا لیکن کس سے کہوں اور کون سمجھے گا کہ اس رشتہ میں کیا تھا اور کیا نہ تھا؟! وہ میرے لئے عزیزوں سے زیادہ عزیز تھے، بزرگوں سے زیادہ بزرگ اور دوستوں سے زیادہ دوست۔ پریشان ہوتا تو ان کے ہاں جاتا، جی گھبراتا تو وہاں جاتا، خوش ہوتا تو وہاں ضرور جاتا — اور جب کہیں نہ جانا ہوتا تو وہاں جاتا، گھنٹوں بیٹھتا۔

زندگی میں ہر طرح کے لوگوں سے ملنے کا تفاق ہوا ہے لیکن اکثر محسوس یہی ہوا کہ مخاطب میں کہیں نہ کہیں کوئی خامی ہے، کوئی بڑا مخلص ملا تو اتنا ہی ثقہ اور روکھا پھیکا، کوئی ہنسنے ہنسانے والا ہوا تو یہ محسوس ہوا کہ اس میں تھوڑا بہت گنوار پن بھی ہے کوئی بڑا عالم فاضل ہوا تو اُس میں نخوت، تنگ نظری اور کم ظرفی بھی کسی نہ کسی تک ضرور پائی گئی۔ اللہ والے ملے تو انہیں دنیا کے کام کا نہ پایا۔ کسی منکر خدا کو ایسا نہ پایا جو کچھ اور نہیں تو رسول کی شرافت وعظمت کا تو قائل ہوتا، لیکن مرحوم کی شخصیت اتنی جامع اور متنوع تھی کہ وہ ہر موضوع اور ہر موقع سے اِس خوبی سے عہدہ برآ ہوتے کہ اُن کی صحبت میں جی لگتا اور کبھی یہ محسوس نہیں ہوا کہ فلاں جگہ کمی ہے جسے پورا کرنے کے لئے کسی اور کو ڈھونڈنا چاہیے۔

آج کم وبیش دس گیارہ سال ہوئے یونیورسٹی پر تحقیقاتی کمیٹی بیٹھ چکی تھی۔ بعض دوسرے لوگوں کی طرح مولانا خاص طور پر زد میں تھے۔ ہر طرف سراسیمگی چھائی ہوئی تھی، نفسا نفسی کا عالم تھا۔ بڑے بڑے سورماؤں کے پاؤں لڑکھڑانے لگے تھے۔ اس وقت کا حال کچھ وہی لوگ جانتے ہیں جن پر وہ عالم گزر چکا ہے اُس زمانہ میں میں نے مولانا کو دیکھا کیا مجال کہ روزمرہ کے معمولات میں فرق آجاتا، جن کے بارے میں جو رائے رکھتے تھے اُس کا علی الاعلان اظہار کرتے۔ شام کے وقت برآمدہ میں لوگ بیٹھے ہوتے، چائے نوشی کی صحبت گرم ہوتی اور ایسا معلوم ہوتا جیسے مصیبت کا کہیں نام ونشان نہیں۔ کسی کی مجال تک نہ ہوتی کہ آنے والی آفت کا تذکرہ کرتا۔ ایک دن شب میں

میں بھی حاضر ہوا میں مرحوم کی خدمت میں اکثر ایسی باتیں بھی کہہ جاتا جو دوسرے کہنے میں ہمیشہ تامل کرتے تھے۔ میں نے کہا: ''مولانا کیا ہونے والا ہے؟ خدانخواستہ نوع دیگر ہوا تو کیا ہوگا؟'' کہنے لگے:

''رشید! تم بھی ایسا کہتے ہو؟ مجھے خیال تھا تم اس قسم ذکر نہ چھیڑو گے۔ ہوگا کیا؟ وہی ہوگا جو ازل سے تقدیر میں ہو چکا ہے۔ مؤمن کی شان یہی ہے کہ اُس پر ہراس طاری نہ ہو۔ تم ڈرو گے تو اُن لوگوں کا کیا حال ہوگا جو تم کو اپنا سردار سمجھتے ہیں؟ جو ہونے والا ہے وہ ہو چکا ہے پھر ڈرنے جھجکنے سے کیا فائدہ؟''

مولانا پر اِس وقت ایک عجیب جلال سا طاری تھا اور مجھے شہنشاہیت روما کا وہ عہد یاد آ گیا جب گالس نے روم پر قبضہ کیا اور وحشیوں نے فتح کے نشہ میں آ کر سینٹ کا رُخ کیا۔ جہاں کا ہر رکن اپنی اپنی جگہ متانت اور وقار کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا جن میں سے ہر ایک کو وحشیوں نے نشست ہی پر ذبح کر دیا لیکن کسی سینٹر نے نہ اپنی جگہ چھوڑ دی اور نہ آہ وزاری کی۔

۱۹۲۱ء کا زمانہ ہے۔ نان کوآپریشن کا سیلاب اپنی پوری طاقت پر ہے۔ ''گائے کی قربانی'' اور ''موالات'' پر بڑے بڑے جید اور مستند لوگوں نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کر دیا ہے۔ اِس زمانہ کے اخبارات، تقاریر، تصانیف اور رُجحانات کا اب اندازہ کرتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کیا سے کیا ہو گیا۔ اُس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جو کچھ ہو رہا ہے اور جو کچھ کہا جا رہا ہے وہی سب کچھ ہے۔ یہی باتیں ٹھیک ہیں۔ اِن کے علاوہ کوئی اور بات ٹھیک ہو نہیں سکتی۔ کالج میں عجیب افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ مرحوم مطعون ہو رہے تھے، لیکن چہرہ پر اثر تھا اور نہ معمولات میں کوئی فرق۔

بالآخر مولانا نے اِن مباحث پر قلم اُٹھایا اور دن رات قلم برداشتہ لکھتے رہتے۔ اکثر بٹھا کر سناتے اور رائے طلب کرتے۔ میں کہتا:

''مولانا میری مذہبی معلومات اتنی نہیں ہیں کہ میں محاکمہ کر سکوں، آپ جو

کہتے ہیں ٹھیک ہی کہتے ہوں گے۔"

کہتے:

"یہ بات نہیں ہے تم پر اس ہڑ گم کا اثر ہے اور سمجھتے ہو کہ یہ تمام علماء جو کچھ کہتے ہیں وہ ٹھیک ہے اور میں کالج کا مولوی یونہی ہانکتا ہوں۔ یہ بات نہیں ہے ہم تم زندہ رہے تو دیکھ لیں گے کہ کون حق پر تھا اور کون ناحق پر تھا؟"

سیلاب گزر گیا جو کچھ ہونے والا تھا وہ بھی ہوا لیکن مرحوم نے اس عہد سراسیمگی میں جو کچھ لکھ دیا تھا بعد میں معلوم ہوا کہ حقیقت وہی تھی، اس کا ایک ایک حرف صحیح تھا۔ آج تک اُس کی سچائی اپنی جگہ پر قائم ہے، سارے علماء سیلاب کی زد میں آ چکے تھے۔ صرف مرحوم اپنی جگہ پر قائم تھے۔ اس کا اعتراف کسی نے نہ کیا، اور نہ کبھی مولانا نے کہا کہ میں نے یا آپ نے مولانا کی اس خدمت اور قابلیت کا اعتراف کیوں نہیں کیا ایک دفعہ میں نے دریافت کیا تو مرحوم نے ہنس کر فرمایا:

"لیکن میں اِن کلمات کو دہرانا نہیں چاہتا اس سے بدمزگی اور پیچیدگی پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔"

تیس سال سے زیادہ کا زمانہ گزرا جونپور میں سیرتِ رسول کا جلسہ تھا۔ مرحوم کی تقریر ہو رہی تھی۔ جلسہ کیا ایک جم غفیر تھا۔ مرحوم اپنے مخصوص والہانہ جوش و وارفتگی کے ساتھ تقریر کر رہے تھے۔ حاضرین کی خاموشی کا یہ عالم تھا کہ سارا مجمع ایک ہی متنفس تھا۔ اتنے میں دور سے ایک بوڑھا پستہ قد منحنی شخص جھکا ہوا انبوہ کو چیرتا ہوا بڑھتا نظر آیا۔ جس شخص کے پاس سے گزرتا ہے وہ خوف و عقیدت سے سمٹ کر تعظیم دیتا ہے۔ دیکھتے دیکھتے پلیٹ فارم پر پہنچ گیا۔ مرحوم کو سینہ سے لگا کر پیشانی کا بوسہ دیا اور واپس چلا گیا۔ یہ مولانا ہدایت اللہ خاں صاحب جبروت جونپوری مرحوم کے استاد اور جونپور میں اُس وقت علم و ہنر کے چشم و چراغ تھے۔ مرحوم میں اپنے استاد ہی کا جبروت وطنطنہ تھا۔ اُن کی شفقت میں بھی جبروت کارفرما تھا۔ میں نے مرحوم کو جھجک کر یا گول مول باتیں کرتے کبھی نہ پایا۔

جمعہ کی ایک نماز یاد ہے جاڑے کے دن تھے، یخ بھری ہوائیں ایسا معلوم ہوتا تھا گویا رگ و ریشہ میں سوئیاں بن بن کر اُتر جاتی ہیں۔ ناظم صاحب دینیات غالباً موجود نہ تھے۔ مرحوم امامت کے لئے آگے بڑھے۔ تکبیر بھی ختم نہ ہوئی تھی کہ مولانا نے کہا: ''اللہ اکبر''! ایسا معلوم ہوا جیسے اس صدائے فضا کی ہر صدا کی ہر لرزش چھین لی۔ اس کے بعد جو قرأت شروع کی ہے تو یہ معلوم ہوتا تھا جیسے خالد کی تلوار میدانِ جہاد میں کوندتی، لرزتی، گرجتی، لچکتی، کاٹتی، سمٹتی، تیرتی، ابھرتی آگے بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ کوئی لمبی سورت تھی جب تک ختم نہ ہوئی یہ معلوم ہوتا تھا جیسے جسم و جان میں بجلیاں بھر گئی ہیں اور شوقِ خود سپاری میں ہمیں نہیں در و دیوار بھی جھوم رہے ہیں اور اُس دن کی نماز اب بھی یاد ہے۔

مرحوم مذہبی معتقدات میں بڑا غلو رکھتے تھے اور اظہار کا موقع آتا تو کُھلم کُھلا اُن کا اعلان بھی کر دیا کرتے تھے۔ بایں ہمہ مختلف الخیال لوگوں سے بھی بقول اُن کے کھاتا کھلا ہوا تھا۔ خانقاہ سلیمانیہ کے مقربین میں محمد اکرام اللہ خاں ندوی، مولانا ابو بکر صاحب، محمد مقتدیٰ خاں شروانی، نواب صدر یار جنگ بہادر، سید زین الدین صاحب تھے، باہر والوں میں سے مولوی ابو الحسن صاحب سید بہاؤ الدین صاحب کو یہ امتیاز حاصل تھا۔ مولانا ابو بکر صاحب کے بڑے مداح تھے۔ ایک دن کہنے لگے:

''جب یونیورسٹی میں اُن کا تقرر ہو رہا تھا تو میں کچھ تذبذب میں تھا۔ تم تو جانتے ہو اُن کا مسلک میرے مسلک سے جدا ہے۔ میں سمجھتا تھا شاید میرا ان کا نباہ نہ ہو سکے لیکن یہ آدمی تو بینظیر نکلا۔''

میں نے انہیں جلال کے عالم میں بھی پایا ہے۔ علم و مذہب پر گفتگو کرتے کرتے اکثر جلال میں آ جاتے۔ لیکن اِس جلالت کی شان ہی کچھ اور ہوتی۔ ایسا معلوم ہوتا جیسے وہ علم یا مذہب کے بل پر یا اُن کے ناموس کی حفاظت ہیں، آمادۂ جہاد میں تکبر یا تبختر کا شائبہ تک نہ ہوتا۔ لیکن جب بے تکلف دوستوں کے حلقہ میں ہوتے تو اُن کی باتوں میں شگفتگی، رنگینی و زیبائی ہوتی، مرحوم یاد آتے ہیں تو میرے ذہن میں:

عجم کا حسنِ طبیعت، عرب کا سوز دروں۔
کا نقشہ بھی پھر جاتا[۲۴]

۵/ذوالحجہ ۱۴۱۷ھ، ۱۳/اپریل ۱۹۹۷ء — محررہ: محمد عبدالحکیم شرف قادری

مولانا کا اہلِ سنّت پر یہ احسان بھی کچھ کم نہیں ہے کہ آپ نے مجاہدِ جلیل مولانا علامہ محمد فضل حق خیرآبادی کی لاجواب تصنیف ''امتناع النظیر'' پہلی دفعہ شائع کر کے اسے علمی دنیا میں متعارف کرایا ہے[۲۵]

حوالہ جات

۱۔ محمود احمد قادری، مولانا: تذکرہ علمائے اہلِ سنّت، ص ۱۰۰
۲۔ حیات اُستاذ العلماء بندیالوی: ص ۳۹
۳۔ غلام غوث، حافظ: مولانا محمد سلیمان اشرف اور مولانا حبیب الرحمٰن شروانی کے تعلقات (سہ ماہی العلم، کراچی، شمارہ اپریل تا جون ۱۹۷۴ء، ص ۸۲)
۴۔ رشید احمد صدیقی، پروفیسر: گنج ہائے گراں مایہ (آئینۂ ادب، لاہور)، ص ۳۱، ۳۲
۵۔ رشید احمد صدیقی، پروفیسر: گنج ہائے گراں مایہ (آئینۂ ادب، لاہور) ص ۳۳
۶۔ ایضاً، ص ۳۴
۷۔ محمد سلیمان اشرف، مولانا: النور (مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۲۱ء) ص ۲
۸۔ ایضاً، ص ۸
۹۔ عبدالنبی کوکب، ڈاکٹر: مقالات یوم رضا (حصہ سوم) مطبوعہ اپریل ۱۹۷۱ء، ص ۱۰
۱۰۔ رشید احمد صدیقی، پروفیسر: گنج ہائے گراں مایہ، ص ۳۰
۱۱۔ محمد نعیم الدین مراد آبادی، مولانا سید: حیات صدر الافاضل، ص ۱۰۱
۱۲۔ اراکین جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی: دوامغ الحمیر (مطبوعہ بریلی) ص ۴۷
۱۳۔ اراکین جماعت رضائے مصطفیٰ، بریلی: روداد مناظرہ، ص ۴۰۲
۱۴۔ اراکین جماعت رضائے مصطفیٰ، بریلی: روداد مناظرہ، ص ۵، ۷
۱۵۔ اراکین جماعت رضائے مصطفیٰ، بریلی: روداد مناظرہ، ص ۸، ۹
۱۶۔ اراکین رضائے مصطفیٰ، بریلی: روداد مناظرہ، ص ۹۔۱۰

۱۷ـــــ ایضاً،ص۱۰۔۱۱

۱۸ـــــ ایضاً:ص۱۹۔۲۰

۱۹ـــــ رشید احمد صدیقی، پروفیسر: گنج ہائے گراں مایہ،ص۲۱

۲۰ـــــ محمود احمد قادری، مولانا: تذکرہ علمائے اہلِ سنت،ص۱۰۰

۲۱ـــــ رشید احمد صدیقی، پروفیسر: گنج ہائے گراں مایہ،ص۴۱

۲۲ـــــ عبدالقدوس ہاشمی، تقویم تاریخی ص۳۴۰

۲۳ـــــ نوٹ: تذکرہ علمائے اہلسنت میں لکھا ہے کہ رمضان المبارک ۱۳۵۲ھ میں آپ کا وصال ہوا جو صحیح نہیں ہے۔

۲۴ـــــ رشید احمد صدیقی، پروفیسر: گنج ہائے گراں مایہ۵۲-۱۹

۲۵ـــــ محمد یعقوب ضیاء القادری، مولانا اکمل التاریخ، حصہ اوّل،ص۹۰

فقیہہ اعظم مولانا ابو یوسف **محمد شریف** قدس سرہٗ

(کوٹلی لوہاراں، سیالکوٹ)

حنفیت وسنیت کے بطلِ جلیل مولانا محمد شریف ابنِ مولانا عبد الرحمٰن سیالکوٹی، کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔

تحصیلِ علم:

علومِ دینیہ کی تکمیل والد ماجد سے کی، ان کے وصال کے بعد برصغیر پاک و ہند کے ممتاز علماء سے کسبِ فیض کیا۔

بیعت واجازت وخلافت:

حضرت خواجہ حافظ عبد الکریم نقشبندی کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے اور خلافت سے مشرف ہوئے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ سے بھی اجازت و خلافت حاصل تھی۔ ''فقیہہ اعظم'' کا لقب آپ ہی نے عطا فرمایا تھا۔

فقہ حنفی کی خدمات:

حضرت فقیہہ اعظم نے فقہ حنفی کی بے بہا خدمات انجام دیں ہے۔ ہفت روزہ ''اہلِ حدیث'' امرتسر میں آئے دن اہلسنّت احناف کے خلاف مضامین شائع ہوتے رہتے تھے۔ حضرت فقیہہ اعظم کی کوششوں سے امرتسر ہی سے ''الفقیہ'' کے نام سے ہفت روزہ جاری ہوا جس میں اُن اعتراضات کے جوابات نہایت تحقیق ؤمتانت سے دیئے جاتے تھے۔ اِس جریدے کے علاوہ دیگر مؤقر جرائد میں بھی آپ کے مضامین شائع ہوتے رہے ہیں۔

بے مثل مقرر وخطیب:

آپ عالمِ شریعت اور شیخِ طریقت ہونے کے ساتھ ساتھ مقبول ترین مقرر بھی

تھے۔ وعظ و ارشاد میں اپنا ایک مخصوص اسلوب رکھتے تھے، آپ کے خلفِ رشید سلطان الواعظین مولانا ابو النور محمد بشیر سیالکوٹی[1] مدیر ماہنامہ "ماہِ طیبہ" کی تقریر میں آپ کے اندازِ بیان کی نمایاں جھلک پائی جاتی ہے۔

تبلیغی و سیاسی مساعی:

حضرت فقیہہ اعظم نے پنجاب کے اطراف و اکناف کے علاوہ کلکتہ اور ممبئی وغیرہ مقامات تک سنیت و حنفیت کا پیغام پہنچایا۔ آل انڈیا سُنی کانفرنس، بنارس کے تاریخی اجلاس میں شرکت فرمائی اور تحریکِ پاکستان کی حمایت میں جگہ جگہ تقریریں کیں اور مسلمانوں کو مسلم لیگ کی حمایت و معاونت پر تیار کیا۔

آپ کے مریدین کا حلقہ نہایت وسیع ہے جو ملک کے طول و عرض میں موجود ہے۔

تصنیف و تالیف:

آپ نے تصنیف و تالیف کی طرف بھی توجہ فرمائی۔ چند تصانیف یہ ہیں:

۱- تائید الامام (حافظ ابو بکر ابن ابی شیبہ کی تالیف "الرد علیٰ ابی حنیفہ" کا محققانہ ردّ)

۲- نمازِ حنفی مدلل۔ ۳- صداقتِ احناف۔

۴- کتاب التراویح۔ ۵- ضرورتِ فقہ۔

۶- کشف الغطاء۔

وصالِ پُر ملال:

آپ ۹۰ سال کی عمر میں ۱۵ر جنوری ۱۹۵۱ء کو عازمِ خلد بریں ہوئے، دڑے والی مسجد کوٹلی لوہاراں، ضلع سیالکوٹ میں آپ کا مزار پُر انوار ہے[1]

حوالہ جات

[1] تاریخ وصال، محمد افضل کوٹلوی، مولانا: روزنامہ سعادت لائل پور (ائمہ اہل سنت نمبر)، شمارہ اگست ۱۹۶۸ء

ضیاء الملّۃ والدّین

حضرت مولانا ضیاء الدین احمد مدنی قدس سرہٗ

حضرت قطب مدینہ مولانا ضیاء الدین احمد مدنی قدس سرہٗ کے علم و فضل ،تقویٰ پرہیز گاری، راست بازی، حق گوئی اور استقامت کو دیکھتے ہوئے یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ متقدمین کے قافلے سے تعلق رکھتے تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں آخری دور میں پیدا فرما دیا تھا۔

مدینہ پاک میں تدفین کی سعادت:

ستر سال سے زیادہ عرصہ تک امام مالک رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے محض اِس لئے مدینہ طیبہ میں قیام پذیر رہے کہ انہیں جنت البقیع میں جگہ نصیب ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں سرخرو فرمایا اور ہمیشہ کے لئے اہلِ بیت کرام کے قدموں میں محوِ استراحت ہو گئے۔ اسی دور میں حرمین طیّبین پر نجدیوں کا تسلط ہو گیا۔ وہ اپنے تمام تر تشدّد کے باوجود حضرت ضیاء الدین احمد مدنی کو قبہ خضراء کے سائے میں باب مجیدی کے عین سامنے محفلِ میلاد کے منعقد کرنے سے نہ روک سکے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت کہ اہلِ محبت پر ابتلاء کا وہ دور آیا کہ دیارِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر پابندی عائد کر دی گئی۔ بارگاہِ رسالت میں ہدیۂ عقیدت و نیاز پیش کرنے کو توحید کے لئے خطرہ قرار دیا گیا۔ لیکن کیا مجال کہ کسی دن حضرت کے گھر محفلِ میلاد منعقد نہ ہوئی ہو۔ آج کچھ لوگ سعودی عرب سے تین ہزار میل دور بیٹھ کر نجدیوں کی دولت اور شدت سے خوف زدہ دکھائی دیتے ہیں۔ اِس مردِ حق آگاہ کی ہمت و عظمت کا اندازہ کیجئے کہ نصف صدی سے زیادہ عرصہ مدینہ منوّرہ میں رہے جہاں نجدیوں کی حکومت تھی مگر اپنے مسلک سے سرِ موانحراف نہ کیا۔ بلا شبہ وہ امام احمد بن حنبل اور امام مالک رحمہا اللہ تعالیٰ

کے قدم بقدم چلتے رہے۔

اُس محفل میں پاکستان، ہندوستان، مصر، شام اور دیگر ممالک کے اہلِ محبت حاضر ہوتے اور بارگاہِ رسالت میں نعتوں اور قصیدوں کا ارمغانِ عقیدت پیش کرتے۔ آخر میں حاضرین کی ماحضر سے تواضع کی جاتی۔ نماز عشاء کے بعد ایک گھنٹہ تک یہ محفل جاری رہتی۔ یہاں تک کہ جن دنوں حضرت ہسپتال میں زیرِ علاج ہوتے، وہاں بھی باقاعدگی سے محفل منعقد ہوتی۔ نجدی کہا کرتے تھے کہ محفلِ میلاد کی محبت اِن کے رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے ہے۔

حضرت کے وصال کے بعد حکومت نے سختی سے ایسی محافل کے انعقاد کو بند کر دیا، اِس سے بڑھ کر اور ناروا پابندی کیا ہو سکتی ہے کہ مسلمان اپنے گھروں کی چار دیواری میں بھی بارگاہِ رسالت میں ہدیہ نیاز پیش نہیں کر سکتے۔ اِسی جرم کی پاداش میں سینکڑوں پاکستانیوں کو سعودیہ سے نکال دیا گیا جو سالہا سال سے مدینہ طیبہ میں قیام پذیر تھے۔

حضرت قطب مدینہ کی ایک دوسری کرامت کا ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔ حضرت کی نوعمری کا زمانہ ہے آپ کے والد عبدالعظیم مرزا غلام احمد قادیانی کے ہاتھ پر بیعت کر لیتے ہیں۔ آپ نے اِس بیعت پر شدید احتجاج کیا اور گھر کو خیر باد کہہ کر طلبِ علم کی راہ پر گامزن ہو گئے۔ حالانکہ یہ وہ دور تھا جبکہ مرزا نے ابھی پر پُرزے نکالنا شروع نہیں کئے تھے۔ نبوت کا دعویٰ بہت بعد میں جا کر کیا۔ اُس وقت مرزا کے آریہ اور عیسائیوں کے ساتھ مناظروں اور اُن کے ردّ کا چرچا تھا بہت سے علماء اس کے بارے میں حسنِ ظن رکھتے تھے مگر حضرت کی سعید فطرت نے اس زمانے میں بھی مرزا کے ساتھ تعلق کو گوارا نہ کیا اور ہمیشہ کے لئے والد سے قطع تعلق کر لیا۔ حکیمِ اہلسنت محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ فرماتے ہیں کہ میں نے والد کا نام پوچھا تو حضرت مدنی علیہ الرحمہ نے فرمایا: "میں اُس کا نام نہیں لیا کرتا"[۱]

ولادتِ باسعادت:

حضرت مدنی اگست ۱۲۹۴ھ/ ۱۸۷۷ء میں سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا

سلسلۂ نسب علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی رحمہ اللہ تعالیٰ سے ملتا ہے۔

تعلیم و تربیت:

گھر سے رخصت ہو کر مولانا محمد حسین پسروری (برادر مولانا نور احمد امرتسری) کے پاس سیالکوٹ میں پڑھتے رہے[۲] پھر لاہور پہنچ کر حضرت علامہ مولانا غلام قادر بھیروی رحمہ اللہ تعالیٰ سے تعلیم حاصل کی، بعد ازاں شیخ المحدثین مولانا شاہ وصی احمد محدث سورتی رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہو کر دو سال مدرسۃ الحدیث، پیلی بھیت میں اکتسابِ علم کیا اور ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۸ء میں حدیث شریف کا درس لیا۔

بیعت و اجازت و خلافت:

۱۸۹۷ء میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے دستِ حق پرست بیعت ہوئے[۱] اور اجازت و خلافت سے مشرف ہوئے۔

امام احمد رضا بریلوی کے علاوہ حضرت شیخ احمد شمس، حضرت علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی قدست اسرارہم اور کثیر التعداد واجلہ مشائخ سے اجازت و خلافت تھی۔

حضرت مدنی قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے:

> ''میرے چچا تو بہت ہیں مگر روحانی باپ ایک ہی ہے، یعنی اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ''[۳]

مدینہ منورہ میں مستقل قیام:

حضرت مدنی قدس سرہٗ ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء میں ترکِ وطن کر کے بغداد شریف حاضر ہوئے، اُس دوران سات سال تک آپ پر جذب کی کیفیت طاری رہی، ۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء میں مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور ایسے حاضر ہوئے کہ تادمِ آخر واپسی کا نام تک نہ لیا[۴]

۱۸۹۷ء میں آپ نے درس حدیث سے فراغت حاصل کر لی، درسِ نظامی کی تحصیل میں اگر کم از کم آٹھ سال بھی صرف ہوئے ہوں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ

۱۸۸۹ء میں بارہ سال کی عمر میں گھر سے رخصت ہو گئے تھے، جبکہ اُس وقت مرزائے قادیانی نے بھی ابھی نبوت کا دعویٰ نہیں کیا تھا۔

مرزائے قادیانی نے ابتداءً دین اسلام کا دفاع اور دوسرے ادیان کا رڈ کرنا شروع کیا۔ ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۳ء میں مجدد ہونے کا دعویٰ کیا۔ پھر مہدی موعود اور مسیح ہونے کا دعویٰ کیا۔ ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۱ء میں نبوت کا دعویٰ کیا[۵]

اب اندازہ کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مدنی قدس سرہٗ کو کس قدر سعید اور پاکیزہ روح عطا فرمائی تھی کہ اُس دور میں بھی مرزائے قادیانی سے اپنے والد کا تعلق برداشت نہ کر سکے اور گھر چھوڑ دیا، جبکہ بہت سے علماء مرزا کی کارروائی کو تحسین کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے یا خاموش تھے، بے شک یہ حضرت مدنی قدس سرہٗ کے بچپن کی تابندہ کرامت ہے۔

فرزندِ ارجمند:

آپ کے فرزند ارجمند مولانا حافظ فضل الرحمٰن مدنی مدظلہ، مدینہ طیبہ میں آپ کے صحیح جانشین ہیں، مولائے کریم انہیں اپنی حفاظت میں رکھے اور دنیائے سُنیت کو اُن کے فیوض و برکات سے بہرہ ور فرمائے۔

حوالہ جات

۱۔۔۔۔ بروایت حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ ۱۲

۲۔۔۔۔ محمود احمد قادری مولانا، تذکرہ علمائے اہلسنت (مطبوعہ مظفر پور) بہار، ص ۱۰۷

۳۔۔۔۔ بروایت حکیم محمد موسیٰ امرتسری مدظلہ ۱۲

۴۔۔۔۔ محمود احمد قادری، مولانا تذکرہ علمائے اہلسنت، ص ۱۰۷

۵۔۔۔۔ عبد الحئی لکھنوی حکیم، نزہۃ الخواطر (نور محمد، کراچی) ج ۸، ص ۲-۴۴۱

صدر الافاضل

مولانا سیّد محمد نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہٗ

موجودہ صدی میں اہلسنّت والجماعت کے کئی جلیل القدر اساطینِ علم وفضل اور صنادید فضیلت ومعرفت گزرے ہیں جن میں صدر الافاضل، بدر الاماثل سیّدی مولانا سیّد محمد نعیم الدین مراد آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ کا نامِ نامی بہت ہی نمایاں ہے۔

ولادت باسعادت:

آپ کی ولادتِ مبارکہ ۲۱ صفر المظفر / یکم جنوری (۱۳۰۰ھ / ۱۸۸۳ء) بروز پیر ہوئی۔ تاریخی نام "غلام مصطفیٰ" (۱۳۰۰ھ) تجویز ہوا۔

آباؤ اجداد:

آپ کے والدِ ماجد حضرت مولانا سیّد محمد معین الدین نزہتؔ (م-۱۳۳۹ھ) اور جدِّ امجد حضرت مولانا سیّد امین الدین راسخؔ ابن مولانا سیّد کریم الدین آرزوؔ اپنے اپنے دور میں اردو اور فارسی کے استاد مانے گئے ہیں۔

تحصیل علم:

آٹھ سال کی عمر میں قرآنِ پاک حفظ کیا، اردو اور فارسی کی تعلیم والدِ گرامی سے حاصل کی۔ ملّا حسن تک درسی کتابیں حضرت مولانا شاہ فضل احمد رحمہ اللہ تعالیٰ سے پڑھیں۔ بعد ازاں اُستاذ العلماء حضرت مولانا سیّد گل محمد قدس سرہٗ مہتمم مدرسہ امدادیہ، مراد آباد سے درسِ نظامی اور دورۂ حدیث کی تحصیل وتکمیل کی اور ایک سال فتویٰ نویسی کی مشق کے بعد ۱۳۲۰ھ / ۱۹۰۲ء میں دستارِ فضیلت حاصل کی۔ اِس موقع پر آپ کے والدِ گرامی نے تاریخ کہی:

ہے میرے پسر کو طلباء پر وہ تفضل
سیاروں میں رکھتا ہے جو مریخ فضیلت
نزہت نعیم الدین کو یہ کہہ کے سنا دے
دستارِ فضیلت کی ہے تاریخ فضیلت

۱۳۲۰ھ

بیعت و خلافت:

سلسلہ عالیہ قادریہ میں اُستاذ مکرم حضرت مولانا سیّد گل محمد قدس سرہٗ العزیز کے دستِ اقدس پر بیعت ہوئے اور ایک عالم کو فیض یاب فرمایا۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہٗ العزیز نے بھی خلافت عطا فرمائی۔

اعلیٰ حضرت سے محبت و عقیدت:

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کی محققانہ تصانیف کے مطالعہ سے حضرت صدر الافاضل کے دل میں گہری محبت و عقیدت پیدا ہوگئی تھی۔ ایک دفعہ جودھپور کے ادریس نامی ایک مخالف نے ''نظام الملک'' اخبار میں اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے خلاف ایک مضمون لکھا، جس میں دل کھول کر دشنام طرازی کا مظاہرہ کیا۔ حضرت صدر الافاضل کو اِس مضمون کے دیکھنے سے سخت صدمہ ہوا۔ اُسی رات اُس کے خلاف ایک مضمون تحریر فرمایا اور ''نظام الملک'' اخبار میں شائع کرا دیا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کو پتا چلا تو حاجی محمد اشرف شاذلی کو تحریر فرمایا کہ مولانا سیّد محمد نعیم الدین کو ساتھ لے کر بریلی آئیں۔ اِس ملاقات میں حضرت صدر الافاضل، مولانا احمد رضا بریلوی کی شفقت و محبت سے اِس قدر متاثر ہوئے کہ کوئی مہینہ بریلی شریف کی حاضری سے خالی نہ جاتا۔

مایۂ ناز مناظر:

اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کو حضرت صدر الافاضل قدس سرہٗ پر اِس قدر اعتماد تھا کہ جہاں کہیں مناظرہ ہوتا حضرت صدر الافاضل کو بھیجتے۔ آپ کو مناظرہ میں بے پناہ

مہارت حاصل تھی۔ عیسائی، آریہ، روافض، خوارج، قادیانی اور غیر مقلدین سے بارہا مناظرے کا اتفاق ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہر میدان میں غلبہ پایا۔

آپ کو مناظرہ میں زبردست کمال حاصل تھا، بڑے سے بڑے مناظر کو چند جملوں میں لاجواب کر دینا آپ کے لئے معمولی سی بات تھی۔

دورِ طالب علمی میں ایک آریہ سے گفتگو فرمائی۔ اُس نے اعتراض کیا کہ:

''منہ بولا بیٹا حقیقی بیٹا ہوتا ہے، اور تمہارے پیغمبر نے اپنے بیٹے زید کی بی بی سے نکاح کر لیا تھا''۔

حضرت صدر الافاضل نے دلائل عقلیہ سے بیان کیا کہ کسی کو بیٹا کہنے سے اُس کی حقیقت نہیں بدلتی۔ حقیقت میں بیٹا وہ ہوتا ہے، جو کسی کے نطفے سے پیدا ہو لیکن پنڈت نے کہا: ''میں نہیں مانتا۔'' آپ نے فرمایا: ''میں تمہیں ابھی منوائے دیتا ہوں۔'' مجمع کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''یہ پنڈت میرا بیٹا ہے'' —— لہٰذا پنڈت جی کے قول کے مطابق یہ میرے حقیقی بیٹے بن گئے اور حقیقی بیٹے کی بی بی باپ پر حرام اور اس کی ماں حلال ہوتی ہے، تو ان کی ماں مجھ پر حلال ہو گئی''۔

پنڈت یہ سن کر بوکھلا گیا اور کہنے لگا: ''تم مجھے گالی دیتے ہو'' صدر الافاضل نے فرمایا:

''میرا مدعا ثابت ہو گیا تو خود اسے گالی تسلیم کرتا ہے، تو معلوم ہوا کہ منہ بولا بیٹا، حقیقت میں بیٹا نہیں ہوتا۔''

پنڈت کہنے لگا: ''پہلے تمہارا مولوی چلا گیا تھا، اب میں چلتا ہوں۔''

○ —— رام چندر نامی پنڈت سے بریلی شریف میں گفتگو ہوئی تو اُس نے کہا:

''آپ مجھ سے کیا بحث کریں گے مجھے تمہاری کتاب (قرآنِ پاک) کے پندرہ پارے یاد ہیں۔ آپ میرے وید کے صرف پندرہ ورق ہی سنا دیجئے۔''

حضرت صدر الافاضل نے فرمایا:

''پنڈت جی! یہ تو میری کتاب کا اعجاز ہے کہ دشمن کے سینے میں بھی اُتر گئی ہے۔ تمہاری کتاب کا یہ حال ہے کہ خود تمہیں اُن کے پندرہ ورق بھی یاد نہیں ہیں۔ اِس سے قرآنِ پاک کی صداقت کا پتا چلتا ہے۔''

اس پر پنڈت جی بڑے خفیف ہوئے اور جلسہ برخاست کر دیا۔

○ —— متھرا اور آگرہ کے نواح میں شردھانند نے جب فتنۂ ارتداد شروع کیا تو حضرت صدر الافاضل نے اُسے مناظرہ کی دعوت دی جسے اُس نے قبول کر لیا۔ آپ دہلی پہنچے تو وہ بریلی جا پہنچا۔ بریلی سے لکھنؤ، پٹنہ اور پھر کلکتہ جا پہنچا۔ حضرت بھی اُس کا تعاقب کرتے ہوئے کلکتہ جا پہنچے، تو اُس نے مناظرہ کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ غرض جس وقت، جس جگہ کسی مخالف نے دعوتِ مبارزت دی حضرت صدر الافاضل فوراً تشریف لے گئے۔ مدِ مقابل اوّل تو سامنے آنے کی جرأت ہی نہ کر سکا اور اگر سامنے آیا بھی تو اُسے جلد ہی ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا۔

بے مثال خطیب:

فنِ خطابت میں کامل دستگاہ حاصل تھی۔ اشعار تحت اللفظ پڑھتے تھے، مگر گفتگو اتنی پُر اثر ہوتی کہ مخالفین کو بھی اعترافِ فضیلت کرنا پڑتا۔ حق بیان کرنے میں کسی کو خاطر میں نہ لاتے۔ ۱۳۵۴ھ میں جب سفرِ حج کیا تو مدینہ طیبہ کے قیام کے دوران ملاحظہ فرمایا کہ جب کوئی عقیدت مند جالی شریف کو بوسہ دینے لگتا تو نجدی سپاہی مرد کا ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیتے اور عورت کے سینہ پر ہاتھ مار کر پیچھے دھکیل دیتے۔ حضرت نے فوراً نجدی سپاہیوں کو ڈانٹا اور عربی زبان میں فرمایا:

''اوّل تو نامحرم عورت کو ہاتھ لگانا ویسے ہی ناجائز ہے، اور پھر دربارِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام میں اور بھی سخت ناجائز ہے۔''

انہوں نے کہا: ''ہم نے بقصد شہوت ہاتھ نہیں لگایا۔'' حضرت نے فرمایا: ''اس میں شہوت یا بغیر شہوت کی قید نہیں ہے۔'' سپاہی آپ کا تیور دیکھ کر گھبرا گئے۔ چنانچہ

قاضی شہر اور کوتوال کو بلا لیا۔ حضرت نے قاضی سے ایسی مدلل گفتگو فرمائی کہ اُسے تسلیم کرنا پڑا کہ یہ فعل غلطی پر مبنی ہے۔

تدریسی خدمات:

علومِ دینیہ کی تدریس میں آپ یکتائے روزگار تھے۔ حدیث شریف پڑھاتے، تو یوں محسوس ہوتا کہ اپنے دور کے ابنِ حجر اور ابنِ ہمام یہی ہیں۔ معقولات کا درس ہوتا تو امام رازی اور علامہ فضل حق خیر آبادی کا پرتو معلوم ہوتے، فقہی مسائل حل کرتے تو امام ابو حنیفہ کے تلمیذ دکھائی دیتے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کے بعد سب سے زیادہ استفتاء آپ کے پاس آتے، جن کے شافی جوابات بھجوائے جاتے، جسمانی اور روحانی مریض حاضر ہوتے اور خوش خوش واپس لوٹتے۔ علم ہیئت میں کامل دسترس رکھتے تھے۔ آپ کے تیار کرائے ہوئے فلکی کرے دیکھ کر ماہرینِ ریاضی آپ کی جلالتِ علمی کو ماننے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

جامعہ نعیمیہ، مراد آباد کا قیام:

۱۳۲۸ھ میں آپ نے مراد آباد میں "مدرسہ انجمن اہلسنت و جماعت" کی بنیاد رکھی، جس میں معقول و منقول کی تعلیم کا اعلیٰ پیمانے پر انتظام کیا گیا۔ ۱۳۵۲ھ میں حضرت صدر الافاضل کی نسبت سے اِس کا نام "جامعہ نعیمیہ" رکھا گیا۔ حضرت صدر الافاضل اِس مدرسہ میں حدیث شریف کے علاوہ دیگر درسی کتب کا بھی درس دیتے تھے۔ جلد ہی یہ مدرسہ پورے برصغیر میں عظیم الشان دینی یونیورسٹی کی حیثیت اختیار کر گیا جہاں سے متحدہ ہندوستان (پاک و ہند) کے علاوہ غیر ممالک کے اہلِ علم بھی فیض یاب ہوئے آج پاک و ہند کے اکثر مدارس وہ ہیں، جہاں بالواسطہ یا بلا واسطہ آپ کے فیض یافتہ حضرات گراں قدر خدمات انجام دے رہے ہیں۔

آپ کے مشہور تلامذہ:

حضرت صدر الافاضل قدس سرہٗ کے پاکستان میں چند مشہور تلامذہ کے نام یہ ہیں:

۱-علامہ ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری رحمہ اللہ تعالیٰ۔

۲-علامہ ابوالبرکات سیّد احمد قادری رحمہ اللہ تعالیٰ۔

۳-تاج العلماء مفتی محمد عمر نعیمی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

۴-حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

۵-پیر محمد کرم شاہ الازہری (مدیر ماہنامہ ضیائے حرم، لاہور)

۶-مولانا مفتی محمد نور اللہ نعیمی (مہتمم مدرسہ حنفیہ فریدیہ، بصیر پور)

۷-مولانا مفتی محمد حسین نعیمی، (مہتمم جامعہ نعیمیہ، لاہور)

۸-مولانا مفتی محمد امین الدین رحمہ اللہ تعالیٰ (کامونکی)

۹-مولانا مفتی غلام معین الدین نعیمی رحمہ اللہ تعالیٰ، مدیر سوادِ اعظم، لاہور۔

۱۰-مولانا غلام فخر الدین گانگوی (شیخ الحدیث جامعہ شمس العلوم، میانوالی) وغیرہم

سُخن وری:

قدرتِ ایزدی نے حضرت صدر الافاضل رحمہ اللہ تعالیٰ کو شعر گوئی کا بڑا پاکیزہ ذوق بخشا تھا۔ عربی، فارسی، اور اردو میں بڑی روانی سے شعر کہتے تھے، بلند و بالا تخیلات کو اِس عمدگی اور خوبی سے ادا کرتے کہ سُننے والا جھوم جھوم جائے، لیکن آپ نے فکرِ سخن کو پاکیزہ کلام اور نعتِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے ساتھ مخصوص رکھا، اور مبتذل تغزل سے آلودہ نہیں ہونے دیا۔ ذیل میں چند اشعار ملاحظہ ہوں، جن میں قدرتِ خیال کے ساتھ ساتھ بلا کی سلاست پائی جاتی ہے:

فصاحت سے کہتے ہیں موئے سفید — کہ ہُشیار ہو، اب سحر ہوگئی
خودی سے گزر، چل خدا کی طرف — کہ عمرِ گرامی، بسر ہوگئی
غم و خونِ دل کھاتے پیتے رہے — غریبوں کی اچھی گزر ہوگئی
نعیم خطا کار مغفور ہو — جو شاہِ جہاں کی نظر ہوگئی

ایک نعت شریف کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

دیکھئے سیمائے انور، دیکھئے رُخ کی بہار
مہرِ تاباں دیکھئے، ماہِ درخشاں دیکھئے
دیکھئے وہ عارض اور وہ زُلفِ مشکیں دیکھئے
صبحِ روشن دیکھئے، شامِ غریباں دیکھئے
جلوہ فرما ہیں جبین پاک میں آیاتِ حق
مصحفِ رُخ دیکھئے، تفسیرِ قرآن دیکھئے
یہ نعیم زار کیسا ہجر میں بے تاب ہے
دیکھئے اِس کی طرف، اے شاہِ شاہاں دیکھئے

سیاسی خدمات:

حضرت صدر الافاضل رحمہ اللہ تعالیٰ کی قابلِ قدر دینی خدمات زرّیں حروف میں لکھنے کے قابل ہیں۔ انہوں نے صرف محراب ومنبر اور مسندِ تدریس ہی کو زینت نہ بخشی، بلکہ وقت آیا تو میدان میں آکر اہلِ باطل کی سازشوں کے تار و پور بکھیر کر رکھ دیئے۔
۱۹۲۰ء میں جب سلطنتِ ترکی کے تحفظ اور حمایت کے لئے خلافت کمیٹی قائم کی گئی تو بعض مسلمانوں نے ہندوؤں کے ساتھ مل کر جِد وجُہد شروع کی تا کہ ترکی کے مقبوضات واپس دلائے جائیں۔ ہنود کے ساتھ راہ و رسم اِس حد تک پہنچ گئی کہ ہندو مقتدا اور مسلمانوں کے لیڈر مقتدی بن گئے۔ ہندوؤں کی خوشنودی کی خاطر اسلامی شعائر ترک کر دیئے گئے اور شعائرِ کفر اپنانے میں کوئی باک نہ رہا۔ اِس نازک موقع پر صدر الافاضل نے مسلمانوں کی بروقت راہنمائی فرمائی اور واشگاف الفاظ میں فرمایا:

''جہاں تک اہلِ اسلام کی امداد و اعانت کا تعلق ہے اُس کے فرض ہونے میں کچھ شک نہیں۔''

حضرت صدر الافاضل کے الفاظ ملاحظہ ہوں، ایک ایک لفظ سے کس قدر دَرد و کرب کا اظہار ہو رہا ہے، فرماتے ہیں:

''سلطنتِ اسلامیہ کی تباہی و بربادی اور مقاماتِ مقدسہ، بلکہ مقبوضاتِ

اسلام کا مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل جانا، ہر مسلمان کو اپنی اور اپنے خاندان کی تباہی و بربادی سے زیادہ اور بدرجہا زیادہ شاق اور گراں ہے، اور اس صدمہ کا جس قدر بھی درد ہو کم ہے۔ سلطنتِ اسلامیہ کی اعانت وحمایت خادم الحرمین کی مدد و نصرت مسلمانوں پر فرض ہے۔"!

لیکن یہ کسی طرح جائز نہیں کہ ہندوؤں کو مقتدا بنایا جائے، اُن کی رضا مندی کے لئے شعائرِ کفر اپنا لئے جائیں اور ترکی کی حمایت کے لئے اپنے دین و ایمان کو خیر باد کہہ دیا جائے، فرماتے ہیں:

"اگر اتنا ہی ہوتا کہ مسلمان مطالبہ کرتے اور ہندواُن کے ساتھ متفق ہو کر بجا ہے، درست ہے، پکارتے۔ مسلمان آگے ہوتے اور ہندو اُن کے ساتھ ہو کر اُن کی موافقت کرتے تو بیجا نہ تھا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہندو امام بنے ہوئے آگے آگے ہیں —— کہیں ہندوؤں کی خاطر سے قربانی اور گائے کا ذبیحہ ترک کرنے کی تجاویز پاس ہوتی ہیں، اِن پر عمل کرنے کی صورتیں سوچی جاتی ہیں۔ اسلامی شعائر مٹانے کی کوششیں عمل میں لائی جاتی ہیں، کہیں پیشانی پر قشقہ کھینچ کر کفر کا شعار نمایاں کیا جاتا ہے۔ کہیں بتوں پر پھول اور ریوڑیاں چڑھا کر توحید کی دولت برباد کی جاتی ہے، معاذ اللہ! کروڑ سلطنتیں ہوں تو دین پر فدا کی جائیں، مذہب کسی سلطنت کی طمع میں برباد نہیں کیا جا سکتا۔ مولانا سیّد سلیمان اشرف صاحب نے بہت خوب فرمایا کہ لعنت ہے اُس سلطنت پر جو دین بیچ کر حاصل کی جائے۔"

یہ وہ دَور تھا جب کانگریس کا طوطی بول رہا تھا اور کانگرس کے بڑے بڑے لیڈر گاندھی کی چالوں کا شکار ہو چکے تھے، اِس موقعہ پر حضرت صدر الافاضل رحمہ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف ترکی کے مسلمانوں کی امداد و اعانت کے طریقے بتائے، بلکہ ہندو مسلم اتحاد کے خطرناک نتائج وضاحت سے بیان کر کے دو قومی نظریہ کا بھرپور پرچار کیا۔ اس وقت اگرچہ دیگر علماء اہلسنّت کی طرح آپ پر بھی طعن و تشنیع کے تیر برسائے گئے، لیکن آج بر

صاحبِ انصاف تسلیم کرتا ہے کہ حضرت صدر الافاضل کی دُور رس نگاہوں نے جو فیصلہ صادر کیا تھا، یقیناً حقیقت پر مبنی تھا۔

۲۵-۱۹۲۴ء میں ہندوؤں نے شدھی تحریک چلائی جس کا مقصد یہ تھا کہ مذہبی تبلیغ تیز کر کے مسلمانوں کو مرتد کیا جائے یا اُن کا قتلِ عام کیا جائے۔ حضرت صدر الافاضل ایسا بیدار مغز اور حساس انسان کس طرح خاموش بیٹھ سکتا تھا۔ چنانچہ بریلی شریف میں ''جماعتِ رضائے مصطفیٰ'' قائم کی گئی، جس کے تحت آپ نے دیگر علماء اہلسنّت کی رفاقت میں فتنۂ ارتداد کے سدِ باب کے لئے تمام تر کوششیں صرف کر دیں۔ آگرہ، متھرا، بھرتپور، گوڑ گانواں، گوبند گڑھ، حوالی، اجمیر، جے پور اور کشن گڑھ تک طوفانی دورے کئے اور آگرہ میں ہیڈ کوارٹر قائم کر کے ایک مدت تک وہاں قیام کیا اور مسلسل تبلیغی وفود بھیجے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے شردھانند کا شر ختم ہوا، ہزاروں مُرتد داخلِ اسلام ہوئے اور لاکھوں مسلمان آریوں کے چنگل سے بچ گئے۔

ہندو آئے دن مسلمانوں کو دینِ اسلام سے برگشتہ کرنے کے لئے سازشیں کرتے رہتے تھے، اِس لئے حضرت صدر الافاضل نے مسلمانوں کے دین و مذہب کے تحفظ کی خاطر ملک بھر کے اکابر علماء مشائخ کو مراد آباد مدعو کیا، چار روز کے غور و فکر کے بعد ''آل انڈیا سُنی کانفرنس'' کی بنیاد ڈالی گئی، بالاتفاق آپ کو ناظمِ اعلیٰ اور امیرِ ملّت حضرت پیر سیّد حافظ جماعت علی شاہ محدّث علی پوری قدس سرہٗ کو صدر منتخب کیا گیا۔ حضرت صدر الافاضل قدس سرہٗ نے سنی علماء و مشائخ کو ایک پلیٹ فارم پر متحد کرنے اور مخالفینِ اسلام کی ریشہ دوانیوں کے استیصال کے لئے ملک کے گوشہ گوشہ میں سُنی کانفرنسیں قائم کیں اور شبانہ روز جد و جُہد شروع کر دی۔

صحافتی خدمات:

۱۳۴۳ھ/۱۹۲۴ء میں آپ کی سر پرستی میں مراد آباد سے ماہنامہ ''السواد الاعظم'' جاری ہوا۔ جس میں دینی اور تبلیغی مضامین کے علاوہ مسلمانوں کے انفرادی تشخص کو نمایاں کرنے کے لئے وقیع مضامین شائع ہوا کرتے تھے۔ سوادِ اعظم اہلسنّت و جماعت

دو قومی نظریہ کا نقیب یہ جریدہ رُبع صدی تک بڑی شان و شوکت سے شائع ہوتا رہا۔ مسلمانوں کی بروقت راہنمائی کا فریضہ بحسن و خوبی انجام دیتا رہا۔

قیامِ پاکستان کے لئے کاوشات:

۱۹۴۰ء میں لاہور میں مسلم لیگ کا اجلاس ہوا جس میں قائداعظم اور دیگر زعمائے مسلم لیگ نے مطالبہ پاکستان کی قرارداد پاس کی تو علمائے اہلسنّت نے اِس مطالبے کی پرزور تائید کی۔ حضرت صدر الافاضل نے آل انڈیا سُنی کانفرنس کے تحت متحدہ ہندوستان (پاک و ہند) کے کونے کونے میں علماء اہلسنّت کی معیت میں نظریہ پاکستان کی اہمیت واضح کی۔ صوبہ جات مدارس، گجرات، کاٹھیاواڑ، جونا گڑھ، راجپوتانہ، دہلی، یوپی، پنجاب، بہار، غیر منقسم بنگال میں کلکتہ، ہگلی، چوبیس پرگنہ، ڈھاکہ، کرنافلی، چاٹگام، سلہٹ وغیرہ کے مسلسل دورے کئے اور قیامِ پاکستان کے لئے فضاء ہموار کی۔ تحریکِ پاکستان کے ساتھ آپ کے گہرے لگاؤ کا اندازہ کرنا ہو تو حضرت مولانا ابوالحسنات قادری رحمہ اللہ تعالیٰ کے نام ایک مکتوب کا اقتباس ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں:

''پاکستان'' کی تجویز سے ''جمہوریت اسلامیہ'' (آل انڈیا) سُنی کانفرنس کا دوسرا نام کو کسی طرح دستبردار ہونا منظور نہیں، خود جناح اس کے حامی رہیں یا نہ رہیں۔''

مطالبہ پاکستان کو موثر اور مقبول عام بنانے کے لئے آل انڈیا سُنی کانفرنس کا فقید المثال اجلاس ۲۴ تا ۲۷ جمادی الاولیٰ، مطابق ۲۷ تا ۳۰ اپریل ۱۳۶۵ھ/۱۹۴۶ء بنارس میں منعقد ہوا، جس میں کل متحدہ ہندوستان کے تقریباً پانچ ہزار جلیل القدر علماء و مشائخ شریک ہوئے۔ عوام کی تعداد تقریباً ڈیڑھ لاکھ تھی۔ ایسا عظیم الشان اجلاس آج تک کہیں منعقد نہ ہو سکا۔ اِس اجلاس میں بالاتفاق درج ذیل قرارداد منظور کی گئی:

''آل انڈیا سُنی کانفرنس کا یہ اجلاس مطالبہ پاکستان کی پُر زور حمایت کرتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ علماء و مشائخِ اہلسنّت، اسلامی حکومت کے قیام کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے ہر امکانی قربانی کے واسطے تیار ہیں اور

یہ اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ایک ایسی حکومت قائم کریں جو قرآنِ کریم اور حدیثِ نبوی کی روشنی میں فقہی اُصول کے مطابق ہو۔''

اس اجلاس نے تحریکِ پاکستان کو زبردست تقویت پہنچائی اور نظریۂ پاکستان کی مقبولیت میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ بلا شبہ اِس اجلاس کو قیامِ پاکستان کے لئے سنگِ میل کہا جاتا ہے اور حضرت صدر الافاضل (جو اِس اجلاس کے عظیم رکن تھے) کو بانیانِ پاکستان کی صف میں شمار کرنے میں تامل نہیں ہوسکتا۔

قیامِ پاکستان کے بعد ۱۹۴۸ء میں حضرت صدر الافاضل، حضرت سیّد محمد محدثِ کچھوچھوی، تاج العلماء مولانا محمد عمر نعیمی اور مولانا مفتی غلام معین الدین نعیمی (رحمہم اللہ تعالیٰ) بذریعہ ہوائی جہاز دہلی سے لاہور پہنچے اور مقامی علماء و زُعماء سے پاکستان کے اسلامی دستور کے بارے میں گفتگو کی۔ بعد ازاں کراچی تشریف لے گئے اور اسی موضوع پر مقامی علماء و زعماء سے بات چیت کی۔ بالآخر طے پایا کہ حضرت صدر الافاضل اسلامی دستور کا خاکہ مرتّب فرمائیں، ہم اُسے پاکستان کی اسمبلی میں منظور کرائیں گے۔ حضرت صدر الافاضل نے وعدہ فرمایا کہ میں مراد آباد جا کر اسلامی دستور کا خاکہ مرتّب کر کے بھیج دوں گا، مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا، کراچی میں ہی آپ سخت علیل ہوگئے۔ چنانچہ آپ مختصر قیام کے بعد لاہور سے ہوتے ہوئے مراد آباد تشریف لے گئے اور علالت کے باوجود دستورِ اسلامی کی چند دفعات ہی مرتّب فرما سکے تھے کہ پیامِ اجل آگیا۔

تصنیفی و تالیفی خدمات:

حضرت صدر الافاضل نے بے پناہ دینی و ملی مصروفیات کے باوجود تصنیف و تالیف کا بڑا ذخیرہ یادگار چھوڑا۔ آپ کی مقبولِ عام تصانیف کے نام یہ ہیں:

(۱) تفسیر خزائن العرفان:

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہٗ کے ترجمۂ قرآنِ پاک کنزالایمان پر قابلِ قدر حاشیہ۔

(۲) اطیب البیان ردّ تقویۃ الایمان۔

(۳) الکلمۃ العلیاء۔ (مسئلہ علم غیب میں محققانہ تصنیف)

(۴) سیرتِ صحابہ۔ (وسیلہ جمیلہ)

(۵) سوانح کربلا (اُردو)[۴]

(۶) التحقیقات لدفع التلبیسات (المہند کارد)

(۷) کتاب العقائد۔

(۸) آداب الاخیار۔

(۹) زادالحرمین (حج وزیارت کے مسائل)

(۱۰) کشف الحجاب (ایصالِ ثواب کے موضوع پر)[۵]

(۱۱) اسواط العذاب، وغیرہ وغیرہ

وصالِ پُرملال:

صدرالافاضل بدرالاماثل، تحریکِ پاکستان کے عظیم رہنما حضرت مولانا سیّد محمد نعیم الدین مراد آبادی قدس سرہٗ العزیز بروز جمعۃ المبارک ۱۸ر ذی الحجہ ۱۳۶۷ھ/ ۲۳ر اکتوبر ۱۹۴۸ء) رات کے بارہ بج کر پچیس منٹ پر دارِ فانی سے سوئے فردوس روانہ ہوئے اور دنیائے سُنّیت کو عظیم صدمے سے دوچار کر گئے۔ آپ کی آخری آرام گاہ جامعہ نعیمیہ، مراد آباد کی مسجد کے بائیں گوشہ میں بنائی گئی۔

پروفیسر حامد حسن قادری رحمہ اللہ تعالیٰ نے تاریخ وصال کہی:

سب بے سروپا ہو گئے ایسا تھا مولانا کا غم
اے قادری خستہ جگر، تاریخِ رحلت کر رقم
فضل وسخا، رُشد وہدیٰ، حلم وحیا، عدل وکرم
ہیں رونما اب درد وغم، قہر وجفا، رنج وستم

۱۹۴۸ء

حوالہ جات

۱ ـــ حیات صدر الافاضل، ص ۹۹
۲ ـــ ایضاً، ص ۱۸۶
۳ ـــ ایضاً، ص ۱۸۹، ۱۹۰
۴ ـــ اس کا گجراتی زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے۔
۵ ـــ اس کا سندھی زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

کتابیات

کتب:

۱- احمد رضا بریلوی، امام: الاستمداد، مطبوعہ نوری کتب خانہ، لاہور

۲- اراکین جماعت رضائے مصطفیٰ، بریلی: دوامغ الحمیر، مطبوعہ بریلی

۳- اراکین جماعت رضائے مصطفیٰ، بریلی: روداد مناظرہ

۴- اقبال احمد فاروقی، پیرزادہ: تذکرہ علمائے اہلسنّت، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۹ء

۵- امام الدین، مولانا: نصرۃ الحق

۶- امیر شاہ قادری، سیّد: تذکرہ علماء و مشائخ سرحد، جلد، مطبوعہ پشاور

۷- دیدار علی شاہ، سیّد، مقدمہ میزان الادیان بتفسیر القرآن۔

۸- رشید احمد صدیقی، پروفیسر، گنج ہائے گراں مایہ، مطبوعہ آئینۂ ادب، لاہور

۹- عبدالشاہد شروانی، مولانا، باغی ہندوستان مطبوعہ بجنور، ۱۹۷۸ء

۱۰- عبدالحیٔ لکھنوی، حکیم: نزہۃ الخواطر، مطبوعہ کراچی۔

۱۱- عبدالقدوس ہاشمی: تقویم تاریخی

۱۲- عبدالنبی کوکب، قاضی: مقالات یوم رضا، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۱ء

۱۳- غلام معین الدین نعیمی، مولانا، حیات صدر الافاضل

۱۴- غلام مہر علی، مولانا، الیواقیت المہریہ

۱۵- محمد اسلم، پروفیسر: خفتگانِ خاکِ لاہور، مطبوعہ لاہور

۱۶- محمد اعظم نورانی، مولانا، محدثِ اعظم کچھوچھوی اور تحریکِ پاکستان، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۸ء

۱۷- محمد امجد علی اعظمی، علامہ: بہار شریعت

۱۸- محمد ایوب قادری، پروفیسر: یادگار بریلی (انجمن تعاونِ احباب کی دوسری رپورٹ)

مطبوعہ کراچی ۱۹۷۰ء
۱۹-محمد جلال الدین قادری، مولانا: خطباتِ آل انڈیا سُنی کانفرنس، مطبوعہ لاہور
۲۰-محمد دین کلیم، میاں: سہروردی اولیائے لاہور، مطبوعہ مکتبۂ تاریخ لاہور ۱۹۶۹ء
۲۱-محمد سلیمان اشرف بہاری، پروفیسر، سیّد: النور، مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۲۱ء
۲۲-محمد سلیمان اشرف بہاری، پروفیسر، سیّد: مثنوی ہشت بہشت از امیر خسرو دہلوی مطبوعہ لاہور ۱۹۹۷ء
۲۳-محمد صادق قصوری، میاں: اکابر تحریکِ پاکستان، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۲ء
۲۴-محمد ظفر الدین بہاری، علامہ: حیات اعلیٰ حضرت، مطبوعہ کراچی
۲۵-محمد عبد العلیم صدیقی، مولانا (تمہید) البیان، مطبوعہ، میرٹھ
۲۶-محمد عبد الحکیم شرف قادری، علامہ: تذکرہ اکابر اہلسنّت، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء
۲۷-محمد عبد الحکیم شرف قادری، علامہ: تلخیص بہار شریعت، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۴ء
۲۸-محمد کچھوچھوی، سیّد، محدّث: فرش پر عرش، مطبوعہ بمبئی۔
۲۹-محمد مصطفیٰ رضا خاں، مفتی: ملفوظات، مطبوعہ کراچی۔
۳۰-محمد یوسف سہروردی، اجتماع ضدین فی شان قلندر
۳۱-محمود احمد قادری، مولانا، شاہ: تذکرہ علمائے اہلسنّت، مطبوعہ بھوانی پور، بہار ۱۹۷۱ء
۳۲-نور المصطفیٰ رضوی، مولانا: پیکر تقدس، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۹ء

رسائل و اخبارات:

۱-روزنامہ ''اخبار جمعیت'' لاہور ۷/ فروری ۱۹۵۸ء
۲-ماہنامہ پاسبان، الہ آباد، ''امام احمد رضا نمبر'' شمارہ مارچ اپریل ۱۹۶۲ء
۳-ماہنامہ الرضاء، بریلی، ربیع الآخر و جمادی الاولیٰ ۱۳۳۸ھ/ جنوری فروری ۱۹۲۰ء
۴-ماہنامہ رضائے مصطفیٰ، گوجرانوالہ ''صدر الشریعۃ نمبر'' ذیقعدہ ۱۳۷۹ھ/ ۱۹۶۰ء
۵-روزنامہ ''سعادت، لائل پور، ائمہ اہلسنّت نمبر'' اگست ۱۹۶۸ء

۶- ماہنامہ ضیائے حرم، لاہور، شمارہ نومبر ۱۹۷۱ء

۷- سہ ماہی العلم، کراچی، اپریل تا جون ۱۹۷۴ء

۸- روزنامہ "مساوات" لاہور، ۱/۹ اکتوبر ۱۹۷۵ء

۹- ماہنامہ المعارف، لاہور، شمارہ اپریل ۱۹۸۳ء

۱۰- ماہنامہ نقوش، لاہور (لاہور نمبر)

آثارِ علمیہ

شرفِ ملت حضرت علامہ محمد عبد الحکیم شرف قادری قدس سرہٗ العزیز

مرتبہ: جناب محمد عبد الستار طاہر مسعودی

نمبر شمار	عنوان	ناشر	سن اشاعت
۱	معارف ابوحنیفہ	ادارہ معارف نعمانیہ، لاہور	۱۹۹۸ء
۲	لمعاتِ امام ربانی	بزم عاشقانِ مصطفیٰ، لاہور	۱۹۹۸ء
۳	خلفاء امام احمد رضا	رضا اکیڈمی، لاہور	۱۹۹۹ء
۴	محسنِ اہلِ سُنت	رضا دار الاشاعت، لاہور	۱۹۹۹ء
۵	تذکار شرفِ ملت	مکتبہ رضویہ، لاہور	۱۹۹۹ء
۶	مقدماتِ رضویہ (اُردو)	مکتبہ رضویہ، لاہور	۲۰۰۶ء
۷	مقالات شرفؔ قادری	مکتبہ قادریہ، لاہور	۲۰۰۸ء
۸	خلیفۂ مسعود ملت حضرت شرفؔ قادری (مشمولہ ''خلفائے مسعودِ ملت'')	ادارہ مظہر اسلام، لاہور	۲۰۱۰ء
۹	مقالات ومقدماتِ رضویہ (عربی)	مکتبہ رضویہ، لاہور	(زیرِ طبع)
۱۰	رسائلِ شرفؔ قادری	مکتبہ قادریہ، لاہور	(زیرِ طبع)
۱۲	رفعتوں کے آسماں	مکتبہ قادریہ، لاہور	(زیرِ طبع)
۱۳	آئینۂ شرفؔ (تقریظات ومقدمات کا مجموعہ)	مکتبہ قادریہ، لاہور	(زیرِ طبع)
۱۴	مکاتیب شرفؔ	مکتبہ قادریہ، لاہور	(زیرِ طبع)
	متفرقاتِ شرفؔ	مکتبہ قادریہ، لاہور	(زیرِ طبع)
۱۵	چند فتاویٰ شرفؔ	مکتبہ قادریہ، لاہور	(زیرِ تدوین)
۱۶	مشاہیر بنام حضرت شرفؔ	مکتبہ قادریہ، لاہور	(زیرِ تدوین)







مکتبہ شمس و قمر

0345-4666768,0322-4973954